

# عبداللہ بن سبا

مؤلف

جناب عمدة المحققین سید منظور حسین صاحب بخاری

مؤلف 'توثیق فذک اسلام کا تاریک دور'

اجنالہ ہسٹریکوسا

ناشر

مکتبۃ الناصر بیرون شاہ عالمی دروازہ، سرگڑود، لاہور

DATA ENTERED

۲۹۷۶۸۲.۹  
۲۵۸۵۳  
۱۱۸۹۱

تعداد: ..... ایک ہزار

قیمت: ..... تین روپے چالیس پیسے

ناشر: مکتبہ الناصر بیرون شاہ عالمی دروازہ، سرگڑوڈ، لاہور

مطبوعہ: - نقوش پریس لاہور، اردو بازار۔

# فہرست

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۶۹	اکابرین صحابہ اور حضرت عثمان	۱۳	عبداللہ بن سبا کے متعلق
۹۳	حضرت علیؑ اور انعتقادِ خلافت	۱۵	ڈاکٹر طرہ حسین مصری کا فرمان
۱۲۱	مخاربعہ جبل اور اس کا پس منظر	۱۶	ضروری گزارش - مؤلف
۱۳۹	واقعہ جبل کی بحث کے نتائج	۱۷	پرسپیکٹو کے نتیجہ خیز اثرات
۱۴۱	ڈاکٹر طرہ حسین کا تعارف	۱۸	خلافت عثمانیہ پر ایک نظر
۱۵۲	دیگر محققین اسلام کے بیانات ابن سبا کے متعلق	۱۹	مورخین اور ابن سبا
۱۵۵	شیعی دانشمند تفضی عسکری کی تحقیق	۲۰	ابن سبا کے افسانہ کی ابتداء کہاں سے ہوئی؟
۱۶۰	ڈاکٹر علی الوری پروفیسر نبادیونیورسٹی کی تصدیق	۲۱	مورخ طبری اور ابن سبا
۱۶۵	آیا عمار یا سری تو ابن سبا نہیں؟	۲۲	سیف بن عمر، علمائے مجال اور محدثین کی نظر میں
۱۶۲	شیعی فاضل علامہ طباطبائی کا اعتراف	۲۳	مورخین کے شبہات اور الزامات
۱۷۵	علامہ کاشف الغطاء اور مدیر اصلاح کی تحقیق	۲۴	شیعیت کے اصول
۱۷۹	شیعہ کتب رجال اور ابن سبا	۲۵	مسئلہ امامت و عدل خداوندی
۱۸۳	ابن سبا اور ہم	۲۶	مسئلہ وصایت علیؑ علیہ السلام اور ابن سبا
۱۸۷	چند اہم توضیحات اور نتائج بحث	۲۷	حضرت عثمان کی مخالفت اور اسکے اسباب و علل

# تقریر

از علی بن ابی طالب علیہ السلام و مولانا حسین صاحب مدظلہ العالی صاحب کتاب "عبد اللہ بن سبأ" کے مسودہ کے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ کتاب کے فاضل مصنف مولانا سید منظور حسین صاحب نقوی نے مجھ سے اپنے حسن عقیدت کے پیش نظر کتاب پر تبصرہ و تقریر کی خواہش کا اظہار فرمایا۔ اگرچہ مجھے تدریسی امور کے ساتھ راتہ تفسیر قرآن مجید انوار النہج کے لئے کافی وقت طلب مطالعہ کی ضرورت تھی، اور علاوہ ازیں کتاب "دین و اسلام" کا ترجمہ بھی انہی ایام میں میرے عہدہ میں داخل تھا۔ اور دریں حالات میرے لئے کتاب مذکور پر استقصائی عبور نہایت دشوار تھا، تاہم میں نے کتاب مذکور کو کافی حد تک دیکھا۔

فاضل مصنف نے نہایت محققانہ انداز میں کافی کدوکاوش سے مطالب انیفہ و مقاصد شریفہ کو جمع فرما کر عبد اللہ بن سبأ کے فتنہ کو اپنے اصلی خدوخال میں پیش کیا ہے۔ کتاب کے مطالعہ سے موصوف کی تحقیقی دستوں اور تہمتی نگاہوں کی داد دیئے بغیر نہیں رہا جاسکتا۔

فاضل مصنف نے یہ ثابت کر نیکی کوشش فرمائی ہے کہ فتنہ عبد اللہ بن سبأ ایک جانی بوجھی سکیم کے ماتحت ہی اٹھایا گیا ہے۔ اور اس نامعلوم شخصیت کو شیعوہ قوم کے سر پر منڈھنے کی کوشش صرف اس لئے کی گئی ہے کہ شیعیت کو بدنام کر کے عوام الناس اور سادہ لوح انسانوں کو متاثر کیا جاسکے۔

اس کتاب کا مطالعہ تحقیق طلب افراد کے لئے ناگزیر ہے۔ اس کے مطالعے سے اس امر کا بخوبی انکشاف ہو سکتا ہے کہ اہل بیت کے مذہب و طریقہ پر پردہ ڈالنے کے لئے کون کونسے حربے اور کس قدر اچھے ہتھیار استعمال کئے گئے۔ اور لوگوں کو مذہب حقہ سے دور رکھنے کے لئے کس طرح انصاف سوز روش اختیار کی جاتی رہی۔

میری دعا ہے کہ مصنف محقق کو خداوند عالم مزید توفیقات مرحمت فرمائے تاکہ زیادہ سے زیادہ اپنے تحقیقی مواد کو قوم کے سامنے پیش فرما سکیں۔ اور خداوند عالم مؤمنین کو توفیق دے کہ ان جیسے فاضل اشخاص کی ہمت افزائی فرما کر ان کو نمایاں خدمت قوم کا موقع دیں۔

نیز ادارہ جامع المنتظر لاہور کو خدا زیادہ سے زیادہ ترقی عطا فرمائے تاکہ ان کی وساطت سے قومی پوشیدہ لٹریچر منظر عام پر آسکے۔

واقعاً لائق صد ستائش ہے "ادارہ مکتبہ الناصر" جس نے اس قسم کی بیش بہا تصانیف قوم کو منصفہ شہود پر لایا گیا ہے۔ عنقریب کتاب "دین و اسلام" بھی اسی ادارہ کی ہمت سے قارئین کے پیش ہونے کا شرف حاصل کر سکیگی۔

حدرہ الاحقر

حسین بخش

اساتذہ کرام، ضلع طبرستان، اردو، عاقلانہ

## ہمکے اہم ماخذ

ابن عبد ربہ اندلسی	۲۰ عقد الفرید ..	مورخ طبری	۱ تاریخ الامم والملوک ..
امام یافعی	۲۱ مرآة الخبان ..	ابن اثیر	۲ تاریخ کامل ..
علاء ابن ریح کتاب	۲۲ تاریخ یعقوبی ..	ابن عساکر	۳ تاریخ ابن عساکر ..
ابن ہشام	۲۳ سیرت ابن ہشام ..	خاوند شاہ	۴ روضۃ الصفا فارسی ..
ابن ابی الحدید	۲۴ شرح حدیدی ..	ابن کثیر	۵ البدایہ النہایہ ..
کلام امیر المؤمنین	۲۵ نہج البلاغۃ ..	رشید رضا	۶ کتاب السننہ والشیعہ ..
راعب اصفہانی	۲۶ المحاضرات ..	حسن ابراہیم	۷ تاریخ الاسلام سیاسی ..
مورخ ابن خلدون	۲۷ ابن خلدون ..	احمد امین	۸ فخر الاسلام ..
کمال الدین دہلوی	۲۸ حیوۃ الحیوان ..	ابن ندیم	۹ جامع اللغات (اردو) ..
ابن قتیبہ	۲۹ الامامۃ والسیاستہ ..	ابن ندیم	۱۰ فہرست ابن ندیم ..
کلام الہی	۳۰ قرآن مجید ..	علامہ فہمی	۱۱ میزان الاعتدال ..
سیوطی	۳۱ در منشور ..	ابن حجر	۱۲ تہذیب التہذیب ..
علی متقی	۳۲ کنز العمال ..	سیوطی	۱۳ اللسانی مصنوعہ ..
علامہ سعودی	۳۳ مروج الذهب ..	بلاذری	۱۴ النسب الاشراف ..
سلمان خندزی	۳۴ ینابیع المودۃ ..	ابن سعد	۱۵ طبقات ابن سعد ..
ملا معین	۳۵ دراسات النیب ..	ابن حجر	۱۶ فتح الباری ..
امام نسائی	۳۶ خصائص نسائی ..	علامہ حلبی	۱۷ سیرت حلبیہ ..
ابو عمر عبدالبر	۳۷ الاستیعاب ..	ابن قتیبہ	۱۸ معارف ابن قتیبہ ..
ابن حجر	۳۸ اصحابہ فی تیز الصحابہ ..	زمخشری	۱۹ الفائق ..

جوہدہ الحامصری	۵۸ اہل البيت	ڈاکٹر طاہر حسین مصر	۳۹ الفتنہ الکبریٰ
علاطباطبائی قم	۵۹ مکتبہ تشیع	محمد علی خلیلی	۴۰ الفتنہ الکبریٰ (فارسی)
ڈاکٹر حسین علی	۶۰ تاریخ الشیعہ	ترجمہ پروفیسر محمد متوڑ	۴۱ الفتنہ الکبریٰ (اردو)
شیخ عباس قمی	۶۱ تحفۃ الاحباب	ترغیٰ عسکری نجف	۴۲ عبد اللہ بن سبأ
علامہ اردبیلی	۶۲ جامع الرواۃ	سید محمد باقر	۴۳ اموی دور خلافت
شیخ مفید	۶۳ شرح عقائد صدوق	محمد سلطان مرزا	۴۴ البلاغ المبین
پروفیسر گوہار	۶۴ سازمانہائے تمدن	حکیم امیر الدین	۴۵ فک النجاة
امام احمد بن حنبل	امیر اطوری اسلام	سرفراز لکھنؤ	۴۶ اصحاب امیر المؤمنین
ابن حجر مکی	۶۵ مسند احمد بن حنبل	آل کاشف العطاء	۴۷ اصل اصول شیعہ
استاد عبد الفتاح	۶۶ صواعق محرقة	ڈاکٹر طاہر حسین مصر	۴۸ الوعد الحق
مقربزی	۶۸ النزاع والتخادم	علامہ امینی تبریزی	۴۹ الغدیر
ابن عربی	۶۹ العوام من القوام	علامہ کمرہ ای ایران	۵۰ حجر بن عدی
محمد انشاء اللہ حنفی	۷۰ رسالہ عقیدہ ائمہ کلثوم	استاذ عبد اللہ سیستانی	۵۱ الی المشیخۃ الازھر
ڈاکٹر عائشہ مصری	۷۱ کربلا کی شیر دل خاتون	ڈاکٹر علی الوردی	۵۲ وعاظ السلاطین
علامہ شبلی	۷۲ سیرۃ النبی	محمد حسین بیگل	۵۳ زندگانی محمد
مجهول الاسم	۷۳ فتنہ ابن سبأ	عبدالرحمن بدوی	۵۴ شخصیات قلعہ فی سلام
شاہ ولی اللہ	۷۴ قرۃ العینین	ترجمہ محمد علی خلیلی	۵۵ نقش و عاظ در سلام
ابو عمر کشتی	۷۵ رجال کشتی	عبد اللہ سیستانی عراق	۵۶ عمارة پاسر
		علامہ آوسی نجف اوی	۵۷ روح المعانی

# عبداللہ بن سبا

کے متعلق

فاضل مورخ ڈاکٹر طرہ حسین مصری فرماتے ہیں:-

”ابن سبا بالکل فرضی اور من گھڑت چیز ہے۔ اور جب فرقہ شیعہ اور دیگر اسلامی فرقوں میں جھگڑے چل رہے تھے تو اس وقت اسے جنم دیا گیا۔ شیعوں کے دشمنوں کا مقصد یہ تھا کہ شیعوں کے اصولی مذہب میں یہودی عنصر داخل کر دیا جائے۔ امویوں اور عباسیوں کے دور حکومت میں شیعوں کے دشمنوں نے عبداللہ بن سبا کے معاملہ میں بہت مسالہ آمیزی سے کام لیا۔ اس کے حالات بہت بڑھا چڑھا کر بیان کئے۔ اس سے ایک فائدہ تو یہ تھا کہ حضرت عثمان اور ان کے عمال حکومت کی طرف جن خرابیوں کی نسبت دی جاتی ہے اور ناپسندیدہ امور جو ان کے متعلق مشہور ہیں کو سن کر لوگ شک و شبہ میں پڑ جائیں۔ دوسرا فائدہ یہ کہ علیؑ اور ان کے شیعہ لوگوں کی نگاہوں میں ذلیل و خوار ہوں۔ نہ معلوم شیعوں کے مخالفین نے شیعوں پر کتنے غلط الزامات لگائے، اور نہ جانے شیعوں نے کتنی غلط باتیں اپنے دشمنوں کی طرف عثمان وغیرہ کے معاملہ میں منسوب کیں“

# ضروری گذارث

"عبداللہ بن سبا" کے عنوان سے یہ تالیف ارباب فکر کی خدمت میں انتہائی جسارت کے ساتھ پیش کی جا رہی ہے۔ اس کتاب میں داستان سرارِ رواۃ اور الزام تراشی مورخین کی مفروضہ داستان کے خیالی ہیرو "عبداللہ بن سبا" کے نسبت و بود پر تاریخی تجزیہ اور محققانہ تبصرہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

چونکہ ان مورخین اور واضعین قصہ نے یہ لکھا ہے کہ عبداللہ بن سبا میں کا یہودی تھا جو زمانہ خلافت عثمانیہ میں بظاہر مسلمان ہوا۔ مگر اُس نے نفاق کے لباس میں غلط نظریات و عقائد کی نشر و اشاعت کی۔ شبہہ کے مخصوص عقائد کا صحیفہ اسی نے مرتب کیا اور ملت اسلام کے اکابرین جو جلیل القدر صحابہ بھی تھے کو درسِ فتنہ انگیزی و کینہ پروری پڑھا کر اسلام کی بہتیت اجتماعیہ کو کاری ضرب پہنچائی۔ اور خود مسلمانوں کے ہاتھوں اسلامی حکومت کے سربراہ کو قتل کرادیا۔ اس کے بعد انعقادِ خلافت امیر المومنین علی علیہ السلام بھی اسی سبائی پارٹی کے اثر و رسوخ اور غلبہ اقتدار سے وقوع پذیر ہوا، اور اس کے بعد جنگِ جمل کے واقعات بھی ایسے ہی لوگوں کے خیالات اور ان کی خفیہ سازشوں کا نتیجہ تھے۔ اس لئے کتاب لہذا میں صدرِ اول کے اس پر آشوب دور کے حالات کا تاریخی جائزہ قتل عثمان کا پس منظر حضرت امیر المومنین کی خلافت کے متعلق صحابہ کرام کا مسلک اور جنگِ جمل کے علل و سبب کا مختصر مگر جامعیت کے ساتھ تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس ذیل میں ہم نے صحیح اسلامی ماخذوں کو سامنے رکھ کر فکر و نظر کی روشنی میں اور درایت کے اصول کے تحت یہ ثابت کیا ہے کہ "عبداللہ بن سبا" ایک خیالی شخصیت ہے اور جس کا وجود دنیا میں کبھی تھا ہی نہیں۔ اس شخصیت کو جنم دینے والے مخصوص ذہنیت کے حامل



موتّخ اور ارباب اقتدار کی غلط کاریوں کو پردہ خفا میں رکھنے والے مصنفین میں ورنہ  
 قرن اولیٰ کے اکابرین اسلام ایسی باتوں سے بہت بلند ہیں کہ ایک یہودی نثر ادیب نو مسلم  
 اسلام کے احکام اور اس کے اصول و مبادیات انھیں پڑھائے، اور وہ بے دریغ اسکے  
 جھلسے میں آکر ملت اسلامیہ کی بیخ کنی شروع کر دیں۔ مگر مسلمانوں میں ایسے بالغ نظر  
 موتّخ بھی موجود ہیں جو بال کی کھال اتارنا جانتے ہیں اور اسلاف پرستی کی کوہ رانہ تقلید  
 کی بندھنوں سے آزاد ہو کر تاریخی حقائق کو جدید فکر کی روشنی میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔

اس ضمن میں عہد حاضر کا نامور فلسفی موتّخ ڈاکٹر طرہ حسین مصری سیر فہرست نظر آتا ہے  
 فاضل موتّخ نے اپنے دعوے کے مطابق بالکل بے لاگ ہو کر اسلام کے اس پر فتن  
 دور کے واقعات کو نئے اسلوب سے پیش کیا ہے۔ 'الفتنة الكبرى' ان کی شہرہ آفاق  
 تصنیف ہے۔ پہلی جلد میں حضرت عثمان کے زمانہ کے حالات ہیں اور دوسری جلد میں  
 حضرت علیؑ اور ان کے بیٹوں کے واقعات تحریر کئے ہیں۔ اس کتاب کا مکمل ترجمہ  
 حیدرآباد (انڈیا) میں ہو چکا ہے۔ اور اب پاکستان میں صرف پہلی جلد کا ترجمہ ادارہ  
 طلوع اسلام لاہور کے اہتمام سے شائع کیا گیا ہے۔ ہم ارباب ذوق کو اس کے مطالعہ  
 کی ترغیب دیتے ہیں کہ وہ ضرور پڑھیں۔ تاکہ ارباب علم یہ سمجھ لیں کہ عرب ممالک کے  
 جدید مفکر کس طرح غیر جانبدارانہ انداز میں سوچتے اور لکھتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ہماری  
 ملک کے اہل دانش موتّخ اور ذہین مفکر اسی روشنی میں سوچیں اور صحیح تاریخ نویسی کی  
 داغ بیل ڈالیں۔

عبداللہ بن سبا کے وجود اور عدم وجود کے اثبات و نفی کے سلسلہ میں اساسی  
 طور پر ہم نے اس کتاب کو پیش نظر رکھا ہے۔ چنانچہ ہمارے تالیف میں زیادہ ترقیاتی بات  
 اسی کتاب سے لئے گئے ہیں۔ علاوہ دیگر اسلامی ماخذوں کے اپنی بحث کی تائید میں ہم  
 نے زیادہ تر جن کتابوں سے استفادہ کیا ہے وہ فاضل اجل مرتضیٰ عسکری نجف اشرف

(عراق) کی کتاب "عبداللہ بن سبا" اور "اموی دور خلافت" مؤلفہ مدیر اصلاح کچھوہ میں۔  
 ناشکر گزاری ہوگی کہ اگر ہم ان کی خدمت میں خراج عقیدت پیش نہ کریں۔ ان کی ان گرانقدر  
 تالیفات اور جدید تحقیقات پر مدنیہ تبریک پیش کیا جاتا ہے۔

گر قبول اُفتد زہے عز و شرف

ہم نے اس تالیف میں تاریخی حقائق کو مد نظر رکھا ہے اور تاریخ اسلام کے معتبر  
 ماخذوں سے استفادہ کیا ہے۔ اور ساتھ ہی قدسے مذہبی نقطہ نظر سے بہت کراں وقت  
 کے محض سیاسی حالات کو پرکھنے کی کوشش کی ہے۔ اس لئے جن حضرات کے دلوں میں  
 اس کتاب کے پڑھنے سے ہمارے پیش کردہ تاریخی اقتباسات پر شکوک وارد ہوں وہ اصل  
 ماخذوں کی طرف رجوع فرما سکتے ہیں۔ نیز یہ بات بھی ممکن ہے کہ اس کتاب کے منصفہ شہود  
 آجانے کے بعد اسلامی حلقوں میں قدسے حیرت و استعجاب کا اظہار ہو۔ اور جن کے قلم  
 بغیر سوچے سمجھے کسی کا تعاقب کرنے کے عادی ہو چکے ہیں وہ انگشت بندیاں رہ جائیں۔  
 کہ ایک ایسی اہم شخصیت اور انقلابی لیڈر جس کا ذکر تاریخ و رجال کی ہر کتاب میں موجود ہے،  
 کے وجود کو ہی ختم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مگر ہم یہ عرض کئے دیتے ہیں کہ اول تو ہم اس  
 دعوے میں منفر و نہیں، جیسا کہ آئندہ صفحات میں معلوم ہو جائے گا۔ اور دوسرے یہ ہماری ذاتی  
 تحقیق ہے۔ نہ تو اس کتاب میں اہل سنن کے خیالات و عقائد کی ترجمانی ہے اور نہ ہی امامیہ  
 حضرات کو خواہ مخواہ مجبور کیا گیا ہے کہ وہ ہماری بات کو ضروری تسلیم کر لیں۔ محض مخلصانہ  
 جذبات کے تحت ارباب نظر اور اصحاب فکر کو سوچنے کی دعوت دی گئی ہے۔ تاکہ ان مندرجات  
 کے مطالعہ کے بعد میں اپنی اس تحقیق کے خطاب و صواب کے پہلوؤں سے آگاہ فرمائیں۔

منظور بخاری

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

### پروپیگنڈے کے تخریبی اثرات

تیس علم تاریخ کو مسلمانوں نے پہلی دفعہ دنیا میں مدون کیا اور باقاعدہ سے ایک فن کی حیثیت عطا کر کے آنے والی نسل انسانی کے لئے بطور عبرت چھوڑا اس کے بارے میں نہایت افسوس کے ساتھ تحریر کرنا پڑتا ہے کہ کچھ عرصہ بعد اُسے ایسے لوگ بھی لے اُڑے جن کی نیت تخریبی تھی۔ انہوں نے بعض فرضی افسانوں کو اعتبار کا قالب دیکر اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کی پوری پوری کوشش کی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں مستند تاریخیں بھی ایسے لوگوں کے خیالات سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ ان کے فرضی قصوں کے متواتر پروپیگنڈے کے اثرات اس حد تک نتیجہ خیز ثابت ہوئے کہ سچ کو جھوٹ سے بمشکل تمیز کیا جاسکتا ہے۔

کذب بیانیوں اور افسانہ تراشیوں کی حالت عہدِ بعہد پر دان چڑھتی گئی۔ مگر ان وضعی روایات اور مبالغہ آمیزی پر نقد و نظر کرنے کی کوشش کما حقہ نہیں کی گئی۔ نفرت، تعصب اور اختلاف و عناد کی خلیج اس قدر وسیع ہوتی گئی کہ بعض لوگ کسی بات کو حق جانتے ہوئے بھی مفروضہ داستانوں کے رواۃ کے آگے تسلیم خم کرتے نظر آتے ہیں۔ افسوس کہ یہ اختلافات فقط ذاتی آراء اور مذہبی عقائد تک ہی محدود رہتے مگر صورتِ حال یہ ہے کہ نقطہ خیال کے اختلاف نے نفرت و اعتراض اور تشدد و افتراق کی راہ اختیار کر لی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملتِ اسلامیہ کی اساس و وحدت متزلزل ہو کر رہ گئی۔ یہ سب کچھ بعض اقتدار پسند طبائع اور ان کے حاشیہ نشین نام نہاد اہل علم

کی ذہنی بے راہ روی کا اثر ہے۔ جو آج تک اصل حقیقت کے خلاف محض اقتدار اور پروپیگنڈے کے زور سے مسلمانوں کو اقترا پر دازی اور تفرقہ بازی کی راہ پر ڈال دیا گیا ہے۔

یہ حقیقت اپنے مقام پر مسلم ہے کہ پروپیگنڈا ایک جادو ہے۔ عوام کا متاثر ہونا تو یقینی ہے، خواص بھی اس کا شکار ہو جایا کرتے ہیں۔ کسی بے بنیاد بات کو واقعے کے طور پر اگر بار بار بیان کیا جائے تو کچھ دنوں بعد وہ ایسی صداقت بنتی چلی جائے گی کہ جس کا انکار ناممکن نظر آنے لگے گا پہلے کہنے والا محض ایک ہوگا پھر خرید اور آدمی سنی سنائی بات کو لے آڑیں گے۔ یہاں تک کہ وہ مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ ایک ناقابل انکار حقیقت کے لباس میں ملبوس نظر آئے گی۔ یہ پروپیگنڈے اور غلط شہرت کا ہی تو اثر ہے کہ بات سے بتنگڑ بن جاتا ہے۔

ہندوستان میں عرصہ دراز سے یہ تنفر آمیز پروپیگنڈا جاری رہا کہ مسلمان بادشاہ خصوصاً اورنگ زیب وغیرہ اہل ہندو کے ساتھ متعصبانہ رویہ رکھتے تھے۔ اس سلسلہ میں انھیں ظالم اور سفاک بھی کہا گیا۔ مگر اہل بصیرت جانتے ہیں کہ یہ بالکل جھوٹے الزام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت کے جذبات کو ابھارنے کے لئے محض پروپیگنڈا ہے۔ مگر اس کا اثر ہوتا رہا اور اہل اسلام کی نسبت حقارت بڑھتی گئی۔ اور آج اس کے نتائج اظہر من الشمس ہیں۔

اسی طرح جنگ آزادی میں جب غیر ملکی حکمرانوں نے اہل ہند کے خون سے ہولی کھیلی اور اپنی جارحانہ قوتوں سے ہندوستان پر دوبارہ اقتدار حاصل کر لیا۔ تو جن لوگوں نے غدر کے دوران میں ارباب اقتدار سے مخالفت کی تھی ان کے متعلق بہتان اور اتہام تراشی کا ایسا مواد جمع کیا گیا کہ جس سے آئندہ نسل کو یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ فتنہ و فساد کے بانی اہل ہند تھے۔ اور ساتھ ہی ان کی سیرت و کردار کو ایسے رنگ میں پیش کیا کہ اخلاقی حیثیت سے گویا وہ انسان ہی نہ تھے۔ اب جبکہ سرکار انگلشیہ رخصت ہوئی

اور ضمیر آزاد ہوئے اور اہل ملک جنگِ آزادی کی تاریخ لکھنے بیٹھے تو انہیں یہ سب باتیں بے سرو پا نظر آئیں۔ ان کی سیاسی بصیرت نے بھانپ لیا کہ یہ سب کچھ غیر ملکی اور باہر حکومت کی وقتی سیاست اور فقط پروپیگنڈے بازی کا ہی ردِ عمل تھا کہ جس کی وجہ سے اس قسم کے حیرت انگیز الزامات تراش لئے گئے۔

جھوٹ کو بیچ اور بیچ کو جھوٹ بنا دینا پروپیگنڈے کا ادنیٰ سا کرشمہ ہے۔ اس سلسلہ میں ایک قصہ بطور مثال بیان کیا جاتا ہے۔ کہ ایک شخص بکری کا بچہ بغل میں لئے کہیں جا رہا تھا۔ تین نوجوان ایک مقام پر کھڑے تھے جب انہوں نے اس کو آتے دیکھا تو منہ میں پانی بھرا آیا۔ خیال کیا کہ کسی نہ کسی صورت میں یہ بکری کا بچہ اگر ہاتھ لگ جائے تو کیاب خوب بنیں گے، مگر وہ کیسے دے؟ کہتے ہیں کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہوتی ہے فوراً ایک بات ذہن میں آگئی، اور وہ یہ کہ ہم تینوں تھوڑی تھوڑی ڈور بنا کر کھڑے ہو جائیں اور جب یہ شخص ہر ایک کے پاس سے ہو کر گزرے تو تینوں متفقاً لفظ ہو کر اپنی اپنی باری میں نہایت سنجیدگی سے بکری کے بچہ والے کو اس امر کا یقین دلانے کی کوشش کریں کہ یہ بکری کا بچہ نہیں بلکہ کتا ہے۔ چنانچہ وہ شخص چلتا ہوا جب پہلے کے پاس سے گزرنے لگا تو اس نے نہایت ادب سے مزاج پرسی کرتے ہوئے کہا کہ حضور! آپ کی بغل میں یہ کتا کیسا؟ وہ شخص کچھ ناراض ہو کر آگے چل دیا۔ تھوڑی دیر چلا تھا کہ دوسرے نوجوان سے سامنا ہوا۔ مزاج پرسی کے بعد اس نے بھی وہی بات کہی کہ جناب! آپ نے کتا کیوں اٹھایا ہوا ہے؟ اس شخص کے پاس سے بھی وہ لا پرواہی کے انداز سے گزر گیا۔ مگر ساتھ ہی اس کے دل میں شبہات کی روپنے لگی اور خیال کرنے لگا کہ شاید یہ کتا ہی ہو۔ اب جبکہ تیسرے آدمی کے پاس پہنچا تو اس نے بھی نہایت انکساری سے ویسا ہی کہا جیسا کہ اس کے پہلے دوسرا بھی کہہ چکے تھے۔ اب تو اسے یقین ہو گیا کہ یہ بکری کا بچہ نہیں بلکہ کتا ہی ہے۔

ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ فرضی ہی ہو اور واقعہ نے اسے محض پروپیگنڈے کے اثرات کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے وضع کیا ہو، اور یا یہ کہ جس شخص کے ساتھ واقعہ پیش آیا وہ دماغی توازن ہی نہ رکھتا ہو۔ مگر یہ تو مان لینے کی بات ہے کہ ایک دو ساعت میں فقط تین آدمیوں نے ہی بکری سے گتّا بنا دیا۔ کیسا جادو تھا اور کیسی سوچی سمجھی سکیم تھی جو محض نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے ہرچا کذب بیانی سے تجویز کی گئی کہتے ہیں یہی اصول پروپیگنڈے کی جان ہوتا ہے۔

تاریخ دان حضرات جانتے ہیں کہ جب اسی پروپیگنڈے اور اشتہار بازی کی سرپرستی مطلق العنان حکومتیں کرتی ہیں تو وہ اپنے حزب مخالف کو عوام الناس کی نظروں میں ذلیل کرنے کے لئے کوئی بھی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کرتیں۔ ان کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ سیاسی حریف کی سیرت و کردار اور اس کے مذہب کو ایسی سطح پر لایا جائے کہ جہاں دنیا ان کی طرف رجوع ہی نہ کر سکے۔ مزید برآں ایسی حکومتیں جب ایک پوری قوم کی سیاسی و مذہبی تاریخ اپنے زیر سایہ مدفن کر رہی ہوں تو بھلا وہ کیونکر اپنی من مانی باتوں کے متعلق پروپیگنڈا نہ کرتی ہوں گی۔

صدرِ اول میں جب اسلامی حکومت کی باگ ڈور بنو امیہ کے ہاتھ میں آئی تو انہوں نے ایک طرف تو اپنے سیاسی و مذہبی حریف کی دینی پوزیشن کو گرانے کے لئے علانیہ منابرِ اسلامیہ پر نازیبا کلمات استعمال کئے اور دوسری طرف احادیث و تاریخ کی تدوین بھی شروع کرادی تاکہ آئندہ نسل کو حسبِ دخواہ دینی و سیاسی لٹریچر مہیا کیا جاسکے۔ علامہ شبلی ایسے فاضل مورخ بھی اعتراف کرتے نظر آتے ہیں۔

”حدیثوں کی تدوین بنو امیہ کے زمانہ میں ہوئی جنہوں نے پوسے

نوسے برس تک سندھ سے ایشیائے کوچک اور اندلس تک مساجدِ جامع میں

آلِ فاطمہ کی توہین کی اور جمعہ میں برسرِ منبر حضرت علیؑ پر لعن کہلوا یا۔“

(سیرۃ النبی جلد اول ص ۱۰۱ عظیم کرطیہ)

اس سلسلہ میں میر شام معاویہ بن ابوسفیان نے جہاں علیؑ اور اولادِ علیؑ کی توہین کے ضمن میں روایات و احادیث وضع کرائیں۔ وہاں اقتدار کے زور سے اس بات کو بھی شہرت دی کہ علیؑ اور اولادِ علیؑ پر سب و شتم کرنا (نعوذ باللہ) سنتِ رسولؐ ہے۔ اور یہ کہ علیؑ ابنِ ابی طالب عرب کے چوراہے مشہور ڈاکو ہیں۔

فاضل معترلی لکھتے ہیں:-

”کہ ایک دفعہ ابن عباس نے معاویہ سے کہا کہ علیؑ کو گالیاں دینے سے باز کیوں نہیں رہتا؟ تو جواب دیا گیا کہ میں اُس وقت تک خاموش نہیں رہوں گا جب تک کہ اس طریقہ پر لڑنے کے جوان اور جوان بوڑھے نہ ہوں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ یہاں تک کہ عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے تو انھوں نے اس بدعت کو بند کیا۔ اور لوگوں میں واویلا ہونے لگا کہ خلیفہ نے سنتِ رسولؐ کو ترک کر دیا ہے۔“

(شرح نوحۃ البلاغۃ حدیدی جلد ۲ صفحہ ۲۵۵)

امیر شام کے سیاسی انتظام اور علی المرتضیٰ علیہ السلام کے خلاف پروپیگنڈے نے یہ صورت اختیار کر لی تھی کہ لوگ علی علیہ السلام کے مرتبہ و شان سے اس قدر نا آشنا ہو گئے کہ جب اہل شام کے ایک عقلمند آدمی سے یہ بات پوچھی گئی کہ جس ابو تراب کو امام معاویہ بڑا بھلا کہتا ہے وہ کون ہے؟ تو اُس شامی نے کہا کہ میرے علم کے مطابق وہ کوئی فتنہ باز اور ڈاکو آدمی ہے۔ (مرآۃ الذہب جلد ۳۳ طبع مصر)

میرے ناظرین پر یہ بات اچھی طرح روشن ہو گئی ہوگی کہ حقیقت کے خلاف غلط شہرت اور پروپیگنڈے کے اثر نے بدعت کو سنتِ رسول اور برادرِ رسول حضرت امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے بطلِ جلیل کو چوراہے ڈاکو خیال کرنے پر عوام الناس کو مجبور کر دیا۔ اس طرح بہت سی باتیں سیاسی مصالح کی بناء

پر مشہور کر دی جاتی ہیں، جو واقعیت کے اعتبار سے ایک افسانہ سے زیادہ وقت نہیں رکھتیں۔ لیکن انھیں شہرت اتنی ہو جاتی ہے کہ حقیقت سمجھ لیا جاتا ہے۔

ایسے ہی بے حقیقت امور میں سے جناب پیغمبر اسلام کی بنات کے تعدد کا مسئلہ ہے حالانکہ جناب فاطمہ الزہرا صلوات اللہ علیہا کے علاوہ آنحضرتؐ کی کوئی دوسری لڑکی نہ تھی۔ فقط اتنی ہی بات پر اکتفا نہیں ہوا بلکہ محسنہ اسلام جناب خدیجہ الکبریٰؓ کے متعلق یہ بات مشہور کر دی گئی ہے کہ وہ آنحضرتؐ سے پہلے کئی شوہروں سے عقد کر چکی تھیں۔ حالانکہ حضرت خدیجہؓ کا عقد جب آنحضرتؐ سے ہوا تو آپ باکرہ تھیں۔ اس سلسلہ میں خان بہادر سید غلام عباس مؤلف و مترجم "بطلان کربلا" جو "کربلا کی شیردل خاتون" کے نام سے امامیہ مشن لاہور کے اہتمام سے شائع ہو چکی ہے کی تحقیق اینٹ پینٹ کی جاتی ہے۔

عام مورخین یہ لکھتے ہیں کہ جب آنحضرتؐ کا عقد حضرت خدیجہؓ سے ہوا۔ اس وقت کے تمام روسا، عرب اور اشرافِ حجاز یہ چاہتے تھے کہ وہ حضرت خدیجہؓ سے عقد کریں۔ اس سلسلہ میں انھوں نے بیخامات بھی بھیجے، مگر خدیجہؓ نے جو ملیکہ العرب کے نام سے مشہور تھیں سب کے بیخامات کو ٹھکرا دیا۔ افسانہ نویس مورخ یہ نہ سمجھ سکے کہ وہ باکرہ پن کی حالت میں تو عرب کے غیر ممتاز لوگوں سے عقد کر لیتی ہیں مگر چند شوہروں کی زوجیت میں آنے کے بعد وہ اپنے آپ کو اتنا بلند پاتی ہیں کہ شیوخ عرب اور اشرافِ قریش میں کسی کو بھی اس قابل نہیں سمجھتیں کہ کسی ایک سے عقد کر لیں۔ عقد تو درکنار کسی سے بات تک کرنا گوارا نہ کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ تاریخین حکومت کے اشاروں پر سیاست کی آڑ میں لکھی گئیں حضرت خدیجہؓ کے اعلیٰ کردار کو غلط رنگ میں پیش کرنے کی غرض سے اس فرضی افسانہ کو شہرت دی گئی۔ دراصل اس مقدس خاتون نے آنحضرتؐ سے پہلے کوئی عقد نہیں کیا۔ وہ پورے جزیرۃ العرب میں کسی کو اپنا ہمسرنہ پا کر کسی اچھے وقت کا انتظار کرتی رہیں۔ جو نیندہ یا بندہ کے مصداق ان کی حقیقت شناس نگاہ نے فقط رحمتہ للعالمین کو ہی انتخاب کیا۔ یہ امر



کہ حضرت خدیجہؓ رسول اللہ کے عقد کے وقت دو شیزہ تھیں فقط ہماری خیالی تحقیق ہی نہیں بلکہ اجلہ علماء و اعلام و زعماء اسلام شیخ مفید شیخ طبرسی۔ سید مرتضیٰ۔ ابن شہر آشوب۔ ماژندرانی۔ محمد ابن عبدالرحمن اصفہانی۔ عماد الدین حسن الطبرسی اور ابو القاسم کوفی وغیرہ بھی اس دعوے کی تصدیق کر چکے ہیں۔

ان ہی محققین نے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ زینب درقیہ اور ام کلثوم آنحضرتؐ کی صلیبی لڑکیاں نہ تھیں بلکہ ابو ہند تمیمی جو حضرت خدیجہؓ کی خواہر ہالہ بنت خویلہ کا شوہر تھا اُس کی بیٹیاں تھیں۔ والدین کے بعد یہ لڑکیاں چونکہ کفالتِ خدیجہؓ میں تھیں اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عقد کرنے کے بعد حضرت خدیجہ الکبریٰؓ ان کو بھی خانہ رسالت میں لے آئیں۔ عرب کے رواج کے مطابق ان کو بناتِ رسول کہا جانے لگا۔ مورخین نے ان کے ربیبہ ہونے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ لکھ دیا کہ یہ آنحضرتؐ کی صلیبی لڑکیاں تھیں۔ اور آج تک یہ ہمہ گیر شہرت اور پروپیگنڈا اپنا اثر دکھاتا چلا آتا ہے۔ مگر جن لوگوں نے تحقیق سے کام لیا اور روایت پرستی کی اندھا دھند تقلید سے اپنی گردن کو آزاد کر لیا وہ اس بات کو تسلیم کر چکے ہیں کہ یہ لڑکیاں آنحضرتؐ کی صلیبی نہ تھیں۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو کتب احادیث کے ابواب مناقب میں حضرت فاطمہ علیہا السلام کے علاوہ ان محدثات کے فضائل اور مناقب بھی پڑھنے میں نظر آتے۔ اس سلسلہ میں اہل علم کا بیان ہے کہ ہم نے بناتِ رسولؐ کے مسئلہ کو محض شہرت کی بنا پر لکھا ہے۔ مولوی محمد انشا اللہ خاں محمدی۔ صدیقی۔ حنفی چشتی۔ بدایونی تک نے بھی اس حقیقت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے :-

”ہم نے رسول اللہ کی چار بیٹیاں شہرت کی بنا پر لکھی ہیں ورنہ روایات پر بنا رکھی جاتی تو اختلافات کی شدت کو دیکھتے ہوئے ہم یہ کہنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ تحقیقی اور یقینی بات صرف یہی ہے کہ حضور ختمی مرتبت

کی بیٹی جناب خدیجۃ الکبریٰ کے بطن سے فقط حضرت زہرا ہی متولد ہوئیں۔

(رسالہ السنۃ المحنوم فی تحقیق عقیدہ ام کلثوم ص ۱۷۷)

ایسے ہی واہی اور فرضی افسانوں میں شہرت رکھنے والا واقعہ حضرت ام کلثوم بنت فاطمہ الزہرا صلوات اللہ علیہا کا ہے کہ ان کا نکاح حضرت عمر سے ہوا۔ آلِ محمد کی خاندانی شرافت اور ان کے معیاری کردار کو نام نہاد مورخین نے جہاں اور بہت سے فرضی الزام لگا کر محض پروپیگنڈے کے اثر سے داغدار کرنے کی کوشش کی ہے وہاں خاندانِ رسولؐ کے حسن معاشرت کو غلط رنگ میں نمایاں کرنے کے لئے جہاں بہت سی رسولؐ کا قصہ گھڑا گیا وہاں اس بے بنیاد افسانے کو بھی تاریخ میں جگہ دیدی کہ حضرت عمر نے جناب ام کلثوم بنت علی سے عقد کیا۔ جن روایات کی بنا پر یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ وہ سب کی سب گھڑی ہوئی ہیں جن کا سب سے پہلا راوی اور واضح زبیر بن بکار ہے جسے علیؑ اور اہل بیت علیہم السلام سے انتہائی دشمنی تھی۔ اس کے علاوہ علامہ ابوالفضل احمد بن علی سلیمان کا یہ قول علامہ ذہبی جیسے ناقدین اور اہل رجال نے بھی نقل کیا ہے کہ زبیر بن بکار کا شمار ان لوگوں میں ہے جو من گھڑت احادیث اور فرضی افسانے وضع کرتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی مرویات ساقط عن الاعتبار ہونے کی وجہ سے صحیحین میں جگہ نہ پاسکیں۔ اب اگر ایسے افسانہ گو کا نقل کردہ واقعہ ہم تک پہنچے اور اس واقعہ میں اہل بیت کی توہین کا پہلو بھی نمایاں ہو تو اسے کیسے تسلیم کر لیا جائے؟ حالانکہ شہرت اور پروپیگنڈے کا تقاضہ یہ ہے کہ اسے بغیر تنقیدی نظر کے دیکھنے کے بسروچشم قبول کر لیں۔ خود نفس واقعہ کے موضوع ہونے کے لئے خارجی دلائل پیش کرنے کی چنداں ضرورت نہیں بلکہ اس قصہ کے ناقلین کی تضاد بیانی روایات کا انتہائی اضطراب اور روایات کی مختلف صورتیں ہی اس امر کا ثبوت ہیں کہ یہ واقعہ فرضی ہے۔ مولوی محمد انشا اللہ صدیقی، جنہوں نے اس مسئلہ کی تحقیق پر ایک رسالہ تالیف کیا

جس کا پورا نام "السر المختوم فی عقد ام کلثوم" ہے۔ اس رسالہ میں فاضل مولف نے اختلافات کی تمام صورتوں کو پیش کر کے اپنا تحقیقی بیان ان الفاظ میں پیش کیا ہے :-

"ناظرین! یہ سب راوی اول کی فضولیات ہیں بلکہ اصل

بات یہ ہے کہ ابتداً کسی مفتری زبیر بن بکار ایسے کذاب اور وضع حدیث

نے حضرت عمر پر تہمت لگائی اور حضرت علیؑ پر جھوٹ بولا ہے اور عقد

کلثوم کا واقعہ اپنے دل سے تراش کر بیان کر دیا۔"

(السر المختوم فی عقد ام کلثوم ص ۲۱)

جس شخص نے رواد اور مورخین کے اس قصہ میں افتراء پردازیوں کو بنظر غائر پڑھا ہے وہ فاضل موصوف کے بیان کی تصدیق کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ عقد کلثوم

کے سلسلہ میں صاحب استیعاب فی معرفۃ الاصحاب نے جن تفصیلات کو پیش کیا ہے،

ان سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت عمر ایسا مدبر انسان عالم پیری میں بھی ایک

نابالوغہ کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کرنا چاہتا ہے۔ اس کے علاوہ حضرت علیؑ علیہ السلام

کی ہاشمی غیرت بھی مخدوش نظر آتی ہے کہ انھوں نے تمام سیاسی اختلافات کو بالائے طاق

رکھ کر اپنی صغیرہ بچی کو بغیر عقد کئے غیر محرم کے ہاں بیچ دیا۔ ہمارے اس بیان کی تصدیق

کے لئے ملاحظہ ہو "استیعاب فی معرفۃ الاصحاب تذکرہ ام کلثوم بنت علیؑ"

تو تاریخ کی صحیح شہادتیں ایسے فرضی واقعہ کی تصدیق کرتی ہیں، اور نہ ہی عقل سلیم

اس بات پر یقین کرتی ہے کہ یہ اور اس قسم کے خلاف عقل و نقل مشہور افسانے صحیح

ہوں گے۔ محض شہرت کی بنا پر متقدمین نے انھیں نقل کیا اور متاخرین حقیقت سمجھ بیٹھے۔

صدر اسلام کی تاریخ کا مشہور واقعہ نالک بن نویرہ سیر یوعی کا دردناک قتل

جو فتنہ ارتداد کے نام سے مشہور ہے کو ہم اپنے بیان کی تائید میں پیش کرتے ہیں کہ تب

پیغمبر اسلام کی وفات کے بعد مسند رسالت پر ایک غیر متعلق شخص کو متمکن کر دیا گیا تو

اعیانِ اسلام میں سے کسی نے بھی اربابِ اقتدار کے سامنے بطیبِ خاطر تسلیمِ خم نہیں کیا اور نہ ہی کوئی اعراب میں سے سوائے چند ایک غیر معروف قبائل کے اس سیاسی انقلاب کا ہمنوا ہوا۔ چنانچہ مالک بن نویرہ یروعی جو آنحضرت کی طرف سے عاملِ صدقات مقرر تھا، بھی سیاستِ وقت کا ساتھ نہ دے سکا۔ اور نہ ہی بیعتِ خلافت میں شریک ہوا۔ پیغمبرِ اسلام کی زندگی میں یہ لوگ آنحضرت کے قول و فعل کے ذریعہ اچھی طرح سمجھ چکے تھے کہ سوائے خاندانِ رسالت کے چشم و چراغ حضرت علیؑ ابن ابی طالب کے کوئی شخص بھی خلافتِ الہیہ ایسے عہدہٴ جلیلہ کے لئے مستحق نہیں مگر ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی، اور ساری امیدیں خاک میں مل گئیں۔ جب دفعۃً انھوں نے خلافتِ اسلامیہ کی باگ ڈور بنی تیم کے ہاتھ میں دیکھی۔ اسی غیظ و غضب کی حالت میں مالک بن نویرہ نے صدقات کی ادائیگی سے انکار کر دیا۔

اسل بہام کی تفصیل یوں سمجھیے کہ اگر جنابِ رسالت مآب کے بعد تختِ خلافت صحیح وارثِ رسولؐ ان کو نظر آتا تو وہ بیعت بھی کرتے اور زکوٰۃ بھی ادا کرتے۔ کیونکہ عقیدتاً وہ سچے مسلمان تھے۔ توحید و رسالت اور معاد پر ان کا ایمان تھا۔ اور دیگر احکامِ اسلامیہ کو وہ پورے طور پر بجالاتے تھے اور ان کی مساجد اذانوں کی آواز سے گونج رہی تھیں۔ مگر اہل حکومت نے یہ مناسب نہ سمجھا۔ فوراً اس کی سرکوبی کے لئے خالد بن ولید ایسے فوجی جنرل کو بھیج دیا۔ جس نے وہاں پہنچ کر باوجود ان کے اسلام کی تصدیق کے ان پر عدم ادائیگی زکوٰۃ کا الزام لگا کر ارتدادِ عن الاسلام کا جرم عائد کر دیا اور سردارِ قبیلہ مالک بن نویرہ کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد بغیر انقضائے

عدۃ اُس کی حسین و جمیل بیوی سے مقاربت بھی کی۔ (روضۃ الاحباب جلد ۲ ص ۲۷)

اب تاریخ کے ورق اٹھائیں اور حضرت ابو بکر کی خلافت کے حالات کو غور سے پڑھیے۔ آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ کس طرح اربابِ سیاست کے جارحانہ اقدامات

کو شرعی جواز عطا کرنے کے لئے تاریخ کی قطع و برید کی گئی۔ سیر و تواریخ اور حدیث و روایت کی جو بھی کتاب اٹھا کے دیکھی جائے وہاں حضرت ابو بکر کی خلافت کے ضمن میں قتل و ارتداد جلی قلم سے لکھا ہوا نظر آئے گا۔ مزید لطف کی بات یہ ہے کہ خلیفہ اسلام کے اس ہم کار نامہ کی تائید میں قرآن کی بعض آیات کو بھی تاویل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ مگر ان تمام باتوں کے باوجود یہ حقیقت اپنے مقام پر اچھی طرح روشن ہے کہ مالک بن نویرہ پکا مسلمان تھا، وہ زکوٰۃ کا منکر نہیں تھا۔ اس امر کی شہادت خود تاریخ میں موجود ہے۔ حسب روضۃ الاحباب تحریر فرماتے ہیں :-

”جب مالک بن نویرہ خالد کے ہاتھوں قتل ہوا تو اس کا بھائی

متمم بن نویرہ احتجاج کرتے ہوئے اصالاً دربار خلافت میں پیش ہوا۔ اس سلسلہ میں حضرت عمر بھی اس کے ساتھ ہوئے۔ چنانچہ بتین شہادتوں سے حضرت ابو بکر کو یقین دلایا گیا کہ مقتول مرتد نہیں تھا، خالد بن ولید نے ناحق قتل کیا ہے۔ حضرت عمر نے خلیفہ پر زور دیا کہ خالد بن ولید سے مقتول کا قصاص لیا جائے۔ مگر بعض سیاسی مصالحت کی بنا پر قصاص تو نہ لیا گیا۔ البتہ مقتول کے ورثہ کو سرکاری بیت المال سے دیت ادا کر دی گئی“

(روضۃ الاحباب جلد ۲ ص ۲۷)

بہر حال جو کچھ بھی ہوا، پروپیگنڈے نے مالک کو مرتد ثابت کر ہی دیا۔ اس کے خلاف خواہ کتنی ہی آواز بلند کی جائے تاریخ اُسے ضرور مرتد ہی کہے گی۔ کیا یہ پروپیگنڈا جادو نہیں جس کی سحر آفرینی نے آج تک مسلمانوں کو منالطے میں ڈال رکھا ہے۔ بعض حکومتوں کے سیاسی مزاج ہی اس قسم کے ہوئے ہیں کہ انھوں نے ایسے بے سرو پا واقعات اور افسانوں کی سرپرستی کی اور اس سلسلہ میں حکومتوں کی پوری مشینری کو بھی استعمال کیا۔ ان کے علاوہ بھی تاریخ اسلام اور کتب احادیث میں ایسے واقعات

بکثرت ملتے ہیں جو محض غلط فہمی کی بنا پر مشہور ہو گئے۔ یا پھر منافقین کی ریشہ دوانیاں اپنا کام کر گئیں۔ جیسا کہ مورخین و محدثین نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق یہ لکھ دیا کہ آنحضرتؐ نے اپنی ازواج کو طلاق دیدی تھی۔ حالانکہ یہ بات واقعہ کے خلاف تھی۔ علامہ شبلی تحریر فرماتے ہیں:-

”آنحضرتؐ کے سکون خاطر میں یہ تنگ طبعی اس قدر خلل انداز تھی کہ آپ نے عہد فرمایا کہ ایک مہینہ تک ازواج مطہرات سے نہ ملیں گے۔ اتفاق یہ کہ آپ اس زمانہ میں گھوٹے سے گر پڑے اور ساق مبارک پر زخم آیا۔ آپ نے بالاخانہ میں تنہا نشینی اختیار کر لی۔ واقعات کے قرینہ سے لوگوں نے خیال کیا کہ آپ نے تمام ازواج کو طلاق دیدی ہے۔“

(سیرۃ النبی جلد اول ص ۵۵)

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں:-

”یہ عجیب بات ہے کہ پیغمبر اسلام جن سے واقعہ کی نسبت ہے وہ موجود ہیں اور لوگ محض ایک مہینہ کی علیحدگی سے یہ قیاس کر کے مشہور کر دیتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے طلاق دیدی ہے۔ حالانکہ رسالت مآب نظام موجود ہیں۔ بڑے سے بڑے صحابی بھی محض غلط فہمی کی بنا پر آپس میں تذکرہ کرتے نظر آتے ہیں۔ آخر حضرت عمر کو یہ بات سوجھی اور انھوں نے بہت کبکے آنحضرتؐ سے استفسار کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے طلاق نہیں دی۔ حضرت عمر نے عرض کیا کہ مسجد میں تمام صحابہ منہموم بیٹھے ہیں اجازت ہو تو ان کو جا کر خیر کر دوں کہ یہ واقعہ غلط ہے۔ چونکہ ایثار کی مدت ایک مہینہ گزر چکا تھا آپ بالاخانہ سے اتر آئے اور عام بازیابی کی اجازت دی۔“

(سیرۃ النبی جلد اول ص ۵۵)

مقام شکر ہے کہ حضرت عمر نے سمیت کر کے پوچھ لیا ورنہ معاملہ اگر یونہی رہتا اور آنحضرتؐ اس واقعہ کو خود غلط نہ قرار دیتے تو آج تک یہی مشہور رہتا کہ آنحضرتؐ نے ازواج کو طلاق دیدی تھی۔

ایسے ہی واقعہ افک بھی بے بنیاد نظر آتا ہے۔ یعنی جس واقعہ میں ام المؤمنینؓ پر تہمت لگائی گئی تھی حالانکہ یہ واقعہ اصل حقیقت سے بہت دور تھا۔ یونہی منافقین نے مشہور کر دیا اگر بذریعہ وحی اس تہام کی تردید نہ ہوتی تو ایک عظیم فتنہ رونما ہو چکا تھا۔ اور لطف کی بات تو یہ ہے کہ بڑے بڑے صحابہ بھی اس میں ملوث ہو چکے تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ قرآن نے معاملہ کو صاف کر دیا ورنہ یہ پروپیگنڈا امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ آج ہمہ گیر شہرت حاصل کر چکا ہوتا۔ اور مسلمان دنیا میں منہ دکھانے کے قابل نہ ہوتے۔

علامہ شبلی نے اپنی ناقدانہ بصیرت کے انداز میں اس حقیقت کو اپنے الفاظ میں یوں تحریر کیا ہے۔

”مدینہ میں منافقین کا ایک گروہ کثیر موجود تھا۔ جن کی تعداد چار سو تک بیان کی گئی ہے۔ یہ شریر النفس ہمیشہ تاک میں لگے رہتے کہ کسی تدبیر سے آنحضرتؐ اور ان کے خاندان و رفقاء میں بھڑوٹ ڈالی جائے۔ افک کے واقعہ میں ان کو کامیابی کی جھلک نظر آچکی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پندرہ دن تک حضرت عائشہ سے کبیدہ خاطر رہے۔ حضرت حنّان افک میں شریک ہو گئے تھے۔ آنحضرتؐ کی سالی حضرت حمزہ جو حضرت زینب کی بہن تھیں سازش میں آگئی تھیں۔ چنانچہ اس روایت کو علانیہ شہرت دتی تھیں۔ حضرت ابو بکر نے اپنے ایک قریبی عزیز (مسطح) کو جو شریک تہمت تھے مالی اعانت سے محروم کر دیا تھا۔ اگر حضرت عائشہ کی برأت پر وحی نہ آجاتی تو ایک عظیم برپا ہو چکا تھا۔ ان واقعات میں کذابین

رواۃ نے اس قدر تبلیغات اور خدایاں کی ہیں کہ بڑے بڑے مورخین ارباب  
سیر نے یہ روایتیں اپنی تصانیف میں اسناداً درج کر دیں۔

(سیرۃ النبی جلد اول صفحہ ۵۵)

ہماری پیش کردہ مثالی تصریحات سے یہ بات اچھی طرح روشن ہو گئی ہے کہ بنات  
رسول کے تعدد کا مسئلہ۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ ثیبہ ہونے کا افسانہ۔ جناب اُمّ کلثوم بنت  
علیٰ کے عقد کا قضیہ۔ ازدواج رسول کے مطلقہ ہونے کا معاملہ۔ افک عائشہ کے  
متعلق من گھڑت بہتان اور فتنہ ارتداد و مالک بن نویرہ کے قتل کا پس منظر وغیرہ ایسے فرضی  
اور وضع کردہ افسانے ہیں جو کسی صورت میں بھی روایت و درایت کے اصولوں پر لوہے  
نہیں اترتے۔ یہ سب باتیں یا تو غلط فہمی کا شکار ہوئیں۔ یا پھر سیاسی مزاجوں نے انھیں  
غلط رنگ میں پیش کر کے شہرت دیدی ہے۔

ان تمام واقعات کو تمثیل کے طور پر پیش کرنے سے ہمارا مطلب یہ تھا کہ چند  
دنوں کا پروپیگنڈا اور ایک غلط بات کی اشاعت جھوٹ کو سچ بنا سکتی ہے۔ اور اگر  
اس سلسلہ میں چند سال اور اس کے بعد چند صدیاں بھی اسی نشر و اشاعت میں گزر جائیں  
اور مزید برآں حکومتوں کی مشینری بھی اپنا اثر و رسوخ استعمال کرتی رہی ہو تو بھلا کیا کچھ  
نہ ہو سکتا تھا۔

ان ہی واقعات سے ملتا جلتا ایک اور افسانہ تاریخ اسلام میں پایا جاتا ہے۔ جس کے  
متعلق تاریخی تجزیہ و درایت کے اصولوں کے ماتحت کرنے کے لئے ہم نے یہ تالیف پیش کرنی  
جرات کی ہے۔ ہم آئندہ مباحث میں تفصیلاً بیان کریں گے کہ کس طرح رواۃ اور مورخین  
نے اپنی اس مفروضہ داستان کو اعتبار کا قالب دیکر اپنے ذہنی انتشار کو سکون عطا کرنی  
کوشش کی۔ اس بے جوڑ کہانی کا عنوان ہے ”عبداللہ بن سبا“  
تقریباً ایک ہزار برس سے مورخین ابن سبا کے متعلق بہت کچھ لکھتے آ رہے ہیں



اور نہایت ہی وحشت خیز امور ابن سبا اور سباہین کے متعلق بیان کرتے چلے آئے ہیں حالانکہ صحیح تاریخ میں ان کا کوئی مقام نہیں تھا۔ آج بھی جس اہل قلم کو شوقِ تصنیف وامن گیر ہوتا ہے وہ کسی کے تعاقب کا اندیشہ کئے بغیر اپنے موضوعِ بحث میں اہل اسلام کی ایک ہم مذہبی تنظیم کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا کرنے کے لئے ابن سبا کے قصہ کو ہی عنوان قرار دیتا ہے۔

قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس قصہ اور افسانہ کے وضاعین کے دل میں یہ خیال کیونکر پیدا ہوا؟ توجیب ہم تاریخ اسلام کے مطالعہ سے صدرِ ادل کے مسلمانوں میں باہمی جنگِ جدال اور اختلافات و مناقشات کے واقعات پر غائرانہ نظر ڈالتے ہیں تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت عثمان کے قتل اور جنگِ جمل وغیرہ کے واقعات میں جن اربابِ اقتدار اور ملتِ اسلامیہ کے اکابرین کے متعلق بدگمانی پیدا ہو جانے کا یقین تھا ان کے حالات کو مجرب رکھنے اور شیعیت میں یہودیت کا عنصر داخل کرنے کے لئے یہ بات بنائی گئی کہ ابن سبا میں کا یہودی تھا۔ جو زمانہ خلافتِ عثمانیہ میں منافقانہ طور پر مسلمان ہوا۔ اس نے مسلمانوں سے بدلہ لینے کے لئے غلط عقائد کی نشر و اشاعت کی اور اپنے پروپیگنڈے سے حضرت عثمان ایسے ہر دل عزیز حاکم کو خود مسلمانوں کے ہاتھوں ہی مروا ڈالا۔ اور بعد میں حضرت علی المرتضیٰ کے ہاتھ پر بیعت کروا کر جنگِ جمل کا سیاسی اکھاڑا بھی اسی بد بخت یہودی نے قائم کیا۔ غرضیکہ مورخین نے ابن سبا کے متعلق ایسی حیرت انگیز باتیں بیان کی ہیں کہ جن کا تذکرہ ہم اس مقام پر کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔ کتاب کے آئندہ صفحات میں ہم ان کو ذرا تفصیل کے ساتھ پیش کر کے ان پر نقد و تبصرہ کرنے کے بعد یہ ثابت کریں گے کہ بالفرض ابن سبا اگر کوئی شخصیت تھی بھی تو اس کی اہمیت اس قدر نہ تھی جتنا کہ یہ لوگ بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں۔

عہدِ حاضر کے نامور ادیب اور فلسفی مورخ ڈاکٹر طرطوطہ حسین مصری اس رازِ سر بستہ

کا انکشاف ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں :-

”ابن سبأ بالکل فرضی اور من گھڑت چیز ہے۔ اور جب فرقہ شیعہ اور دیگر اسلامی فرقوں میں جھگڑے چل رہے تھے تو اس وقت اسے جہنم دیا گیا۔ شیعوں کے دشمنوں کا مقصد یہ تھا کہ شیعوں کے اصول پر یہ میں یہودی عنصر داخل کر دیا جائے۔ یہ سب کچھ بڑی چال بازی اور مکر و فریب کی صورتیں تھیں۔ محض شیعوں کو بچ کرنے کے لئے۔ امویوں اور عباسیوں کے دور حکومت میں شیعوں کے دشمنوں نے عبداللہ بن سبأ کے معاملہ میں بہت مبالغہ آمیزی سے کام لیا۔ اس کے حالات بہت بڑھا چڑھا کر بیان کئے۔ اس سے ایک فائدہ تو یہ تھا کہ حضرت عثمان اور ان کے عمال حکومت کی طرف جن خرابیوں کی نسبت دی جاتی ہے اور ناپسندیدہ باتیں جو ان کے متعلق مشہور ہیں کو سن کر لوگ شک و شبہ میں پڑ جائیں۔ دوسرا فائدہ یہ کہ علیؑ اور ان کے شیعہ لوگوں کی نگاہوں میں ذیل و خوار ہوں۔ نہ معلوم شیعوں کے دشمنوں نے شیعوں پر کتنے غلط الزامات لگائے، اور نہ جانے شیعوں نے کتنی غلط باتیں اپنے دشمنوں کی طرف عثمان وغیرہ کے معاملہ میں منسوب کیں۔“

(الفتنۃ الکبریٰ جلد اول ص ۱۳۲ مطبوعہ مصر)

ڈاکٹر طہ حسین مصر کے ان فضلاء اور اساطین علم میں سے ہیں، جن کی آزادانہ مذہبی و تاریخی تحقیقات نے عالم اسلام میں تہلکہ مچا رکھا ہے۔ اور ان کی وہ تحقیقی تصنیفات علمی دنیا میں بڑے ذوق و شوق سے پڑھی جاتی ہیں۔ حضرت عثمان کے حالات پر جو انھوں نے تاریخی تبصرہ کیا ہے ہم اسے آئندہ اوراق میں پیش کریں گے۔

ان کے علاوہ حوزہ علمیہ نجف کے نامور محقق علامہ شیخ محمد حسین آل کاشف الغطا

جن کے علمی تبحر کا لوہا تمسام علمی دنیا تسلیم کر چکی ہے نے بھی ایک مقام پر عبداللہ بن سبا کی داستان کے متعلق اشارہ ذکر کیا ہے۔ اُن کے اپنے الفاظ اس طرح ہیں:-

”اس سلسلہ میں بعض حضرات کی یہ رائے ہے کہ عبداللہ بن سبا مجنون

عامری اور ابوہلال وغیرہ داستان سراؤں کے خیالی ہیرو ہیں۔ اموی اور عباسی سلطنتوں کے وسطی دور میں عیش و عشرت اور لہو و لعب کو اتنا فروغ حاصل ہو گیا تھا کہ فسانہ گوئی محل نشینوں اور آرام طلبوں کا جزو زندگی بن گئی۔ چنانچہ اس قسم کی کہانیاں بھی ڈھل گئیں۔“

(اصل اصول شیعہ ص ۲۵)

مورخین نے جس غرض کے لئے اس بات کو وضع کیا تھا وہ غرض اُن کی کسی حد تک ضرور پوری ہو گئی۔ روایات کی اندھا دھند تقلید کرنے والے بلاشبہ اس فسانہ کو حقیقت سمجھ بیٹھے اور حضرت عثمان وغیرہ کے ساتھ عقیدت رکھتے ہوئے فتنہ کبریٰ کے تمام واقعات کو عبداللہ بن سبا کے ہی سرمنڈھتے ہیں۔ مگر جن ارباب نظر اور احسان فکر کو قدرت نے فطری طور پر ذوق تحقیق عطا کیا ہے وہ واقعہ کی تہ تک پہنچ چکے ہیں۔ خلا درایت و روایت افسانوں کو وہ تسلیم کرنے پر تیار نہیں۔ ڈاکٹر طرہ حسین مصری۔ مرتضیٰ حسن عسکری نجف عراق اور مدیر اصلاح کچھوہ وغیرہ فضلا، اعلام اپنے اپنے مصنفات میں ابن سبا کے عنوان سے مستقل بحثیں کر کے یہ ثابت کر چکے ہیں کہ یہ ایک فرضی وجود اور خلاف عقل و نقل افسانہ ہے۔ ہماری یہ پیشکش بھی اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے جو انہی بزرگوں کی تحقیقات سے استفادہ کر کے ترتیب دی جا رہی ہے۔

ہم آگے چل کر یہ بات ثابت کریں گے کہ ابن سبا کا قصہ سب سے پہلے سیف

ابن عمر رادی نے وضع کیا جس نے ہارون الرشید کے زمانہ میں انتقال کیا اور یہ کہ وہ تنفقہ طور پر ان کے رجال کے نزدیک افسانہ گو اور متہم بالکذب ہے۔

اسی سیف سے مورخ طبری نے نقل کیا اور طبری کے بعد ابن اثیر ہوں یا ابوالفدا  
 ابن کثیر ہوں یا عبد قریب کے مورخین حسن ابراہیم اور احمد امین وغیرہ یا ان کے خوشہ چین  
 مستشرقین یورپ سب کے سب طبری سے ہی اس قصہ کو نقل کرتے ہیں۔ طبری سے پہلے  
 کا تاریخی مواد اس ذکر سے بالکل خالی ہے۔ متقدمین نے تو بطور روایت اس قصہ کو نقل  
 کیا مگر متاخرین حقیقت سمجھ بیٹھے۔ آج تک جن لوگوں نے ابن سبا کے ذکر کو تحریر کیا ہے  
 انہوں نے اسے دیگر واقعات کے ذیل میں درج کیا۔ مگر عصر حاضر میں ایک جمہور لام  
 مصنف نے تو ایک مستقل کتاب (فتنہ ابن سبا) کے نام سے تحریر کر ڈالی۔ یہ کتاب پہلے  
 لکھنؤ سے شائع ہوئی اور اب مکتبہ صدیقیہ ملتان نے دوبارہ اسے "تاریخ مذہب شیعہ"  
 کے نام سے شائع کر دیا ہے۔

فاضل مصنف نے یہ کتاب اپنے خیال کے مطابق غیر جانبداری اور مخلصانہ جذبات  
 کے ماتحت لکھی ہے۔ مگر جس شخص کو اس کتاب کے دیکھنے اور پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے اسے  
 معلوم ہو گا کہ نام نہاد مصنف نے کس قدر اتہام تراشی اور فتراہ و ازیوں سے کام لیا  
 جاوے اعتدال سے انحراف کیلئے۔ اور یہ کہ امانت و دیانت کی قدروں کو نظر انداز کرتے  
 ہوئے کس طرح اہل اسلام کی ایک مسلمہ مذہبی جماعت پر سوقیانہ حملے کئے ہیں۔ اور  
 شیعی معتقدات کو اس انداز میں پیش کیا کہ خدا کی پناہ!

چنانچہ پیش نظر تالیف میں جہاں دیگر مورخین کی الزام تراشیوں کو طشت ازبام  
 کیا گیا ہے وہاں اس کتاب کے مندرجات کا بھی تاریخی تجزیہ پیش نظر رہا ہے۔

مؤلف

## خلافت عثمانیہ پر ایک نظر

حضرت عمر بن خطاب کی وفات کے بعد سلطنت اسلامیہ کی باگ ڈور کس کے سپرد کی جائے؟ اس کا فیصلہ ایک کمیٹی (مجلس شوری) نے کیا۔ جس کے اراکین حضرت عمر کی سیاسی بصیرت نے خود ہی منتخب کئے تھے۔ اور وہ یہ ہیں:-

- ۱۔ علی ابن ابی طالب۔
  - ۲۔ عثمان بن عفان۔
  - ۳۔ عبدالرحمن بن عوف
  - ۴۔ سعد بن ابی وقاص۔
  - ۵۔ طلحہ بن عبید اللہ۔
  - ۶۔ زبیر بن عوام۔
- انتخابِ خلافت کی ہم کو سر کرنے کے سلسلے میں حضرت عمر ایسے سیاسی حکمران کی یہ وصیت تھی کہ میرے بعد تین روز تک صلاح و مشورہ کرنا اور انہی چھ اراکین میں سے کسی ایک کو خلیفہ بنا لینا۔ اور اگر کوئی رائے کامیاب نہ ہو تو میرے فرزند عبد اللہ کو ثالث بنانا، اور اگر اس پر بھی رضامندی نہ ہو تو جس گروہ میں عبدالرحمن بن عوف ہو اُس کے ساتھ ہو جانا۔ اور بقیہ مخالفین کو بصورتِ عدم تسلیم قتل کر دینا۔

چنانچہ حضرت عمر کی وفات کے بعد تین روز تک انتخابِ خلافت کی سرگرمیاں بدستور جاری رہیں، مگر کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ بالآخر علیؑ اور عثمانؓ کے علاوہ سائے امیڈار دعویٰ خلافت سے دست بردار ہو گئے اور عبدالرحمن بن عوف کو اختیار دیا گیا کہ وہ فیصلہ کریں۔ (طبری جلد ۲ ص ۲۹۲)

اب صدرِ مجلس عبدالرحمن بن عوف تھے۔ ان کی نظر میں علیؑ ابن ابی طالبؓ اور عثمان بن عفان ہی دو ایسی شخصیتیں تھیں جو اس عہدہ جلیلہ کے لئے مناسب تھیں۔ مگر حضرت عثمان کے ساتھ قرابت داری کی وجہ سے ابن عوف کا ذاتی میلان قدر سے زیادہ تھا۔ چنانچہ بڑے غور و فکر کے بعد انھوں نے ایک تجویز مرتب کی کہ ان دو حضرات

میں سے جو اسے قبول کرے اسے سلطنتِ اسلامیہ کا سربراہ تسلیم کر لیا جائے۔ وہ یہ کہ ہونے والے خلیفہ کو "کتاب اللہ، سنت رسول اور سیرتِ شیحین پر عمل کرنا لازمی ہوگا۔ حضرت علی المرتضیٰ نے مجلسِ شوریٰ کی اس شرط کے پہلے دو جزو یعنی کتاب اللہ و سنت رسول پر عمل کرنے کا تو اقرار فرمایا مگر تیسرے جزو "سیرتِ شیحین" (ابوبکر و عمر) پر کاربند ہونے سے صریحاً انکار کر دیا۔ لیکن حضرت عثمان نے بلا پس و پیش اس مجوزہ سکیم کی شرط کے تینوں اجزاء منظور کر لئے۔ لہذا حکومتِ اسلامیہ کی باگ ڈور انہی کے ہاتھ میں دیدی گئی۔

(تاریخِ طبری جلد ۳ ص ۲۹۲۔ تاریخِ کامل جلد ۳ ص ۲۶)

حضرت عثمان کے ابتدائی دورِ خلافت میں نظامِ مملکت قریب قریب اسی نہج پر چلتا رہا جیسا کہ سابقہ دو خلافتوں میں تھا۔ حضرت عمر کے دور کے تجربہ کار اور صاحبِ ہوائے حکام جو جلیل القدر صحابی بھی تھے مختلف ذمہ داریوں کو نبھاتے چلے آ رہے تھے جن میں عبداللہ بن مسعود، عمار بن یاسر، عمر بن عاص، ابوموسیٰ اشعری، مغیرہ بن شعبہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مگر حضرت عثمان نے ان تمام کو معزول کر کے ان کی بجائے اپنے ہی خاندان کے اموی نوجوانوں کی بھرتی کر لی اور انھیں سلطنت کی کلیدی آسامیوں پر بٹھا دیا۔ حالانکہ تجربہ، تدبیر اور سبقتِ اسلام کے اعتبار سے ان کا کوئی مقام نہ تھا۔ رعایا پر قابو پانے اور سلطنت کی میخیں بنو امیہ کو قرار دینے کے لئے انھوں نے اسی بات کو مناسب سمجھا کہ اپنے اعزہ و اقارب کو امورِ سلطنت تفویض کر دیئے جائیں۔

(روضۃ الصفا جلد ۲ ص ۲۴۲)

چنانچہ اسی بنا پر انھوں نے حکم بن عاص، اموی جسے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ سے جلا وطن کر دیا تھا اور حضراتِ شیحین نے بھی آنحضرت کے فیصلہ کا احترام کرتے ہوئے اسے جلا وطن ہی رکھا کی جلا وطنی منسوخ کر کے اسے واپس مدینہ بلا لیا۔ مزید برآں اس کے فرزند مروان کو قلمدانِ وزارت بھی عطا فرما دیا۔

(۴۴۲ الف جلد ۲ ص ۲۴۲)

ع "رموز سلطنتِ خویش خسرواں دانند"

کے اعتبار سے ہم اُن کے اس فعل پر رائے زنی نہیں کرنا چاہتے۔ بہر حال اتنا ضرور ہے کہ حضرت عثمان کا یہ اقدام سنتِ رسولؐ اور سیرتِ بخین کے خلاف تھا۔ اور یہی ایک ابتدائی واقعہ بیلک کے اشتعال کا باعث ہوا۔ مورخین کے بیان کے مطابق آگے چل کر یہی اقدام حضرت عثمان کے قتل کا باعث بھی ہوا۔

حکومت کو داخلی خطرات سے محفوظ رکھنے کے لئے رعایا کے بعض سربراہ اور وہ طبقات کے وقار کو ختم کرنے کی غرض سے اُن کی اقتصادی حالت کمزور کرنیکی کوشش کی جاتی ہے اور بعض موافقین کی کمزور حالت کو بہتر بنانا پڑتا ہے۔ چنانچہ حضرت عثمان نے بھی سلطنت کے استحکام کی خاطر اسی اصول کو اپناتے ہوئے بنو ہاشم یا دیگر صحابہ کرام کا تو ذکر ہی کیا، اُہمات المؤمنین کے وظائف کو بھی کم کر دیا اور اپنے قریب اہل و عیال اور دم بھرنے والوں کو اطرافِ ملک میں جاگیریں عطا کر کے اُن کی حالت کو بہتر بنایا۔ ڈاکٹر ظہیر حسین مصری حضرت عثمان کے نظامِ مالیات پر تبصرہ کرتے ہوئے اعتراف کرتے ہیں:-

"انہوں نے مروان بن حکم کو افریقہ میں مسلمانوں کے حاصل کردہ

مالِ غنیمت کا  $\frac{1}{5}$  حصہ بخش دیا اور اپنے چچا حکم کو دولت سے نوازا۔ حکم کے بیٹے حارث کو تین لاکھ۔ عبداللہ بن خالد بن اسید اموی کو تین لاکھ اور عبداللہ بن خالد کے ہمراہیوں کو ایک ایک لاکھ درہم بخشے۔ حتیٰ کہ بیت المال کے خزانچی عبداللہ بن ارقم نے تعمیلِ حکم سے انکار کر دیا اور اپنے منصب سے مستعفی ہو گئے۔ عبداللہ بن ارقم کے مستعفی ہونے کے بعد خود اُن کو تین لاکھ درہم عطا کئے مگر انہوں نے اپنے زہد و تقویٰ کی بنا پر اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اسی طرح حضرت عثمان نے حضرت زبیر بن عوف کو چھ لاکھ اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور حضرت سعد بن وقاص کو ایک ایک

لاکھ درہم دیئے۔ اپنی تین یا چار بیٹیاں قریش میں بیاہیں اور ان میں سے ہر ایک کے شوہر کو ایک ایک لاکھ درہم تفویض کئے۔

(الفتنۃ الکبریٰ اردو، جلد اول ص ۲۲۳)

ظاہر ہے کہ حضرت عثمان کے پیدا کردہ اقتصادی انقلاب سے پہلی دفعہ عالم اسلام میں سرمایہ دارانہ نظام کی ابتداء ہوئی۔ اس میں شبہ نہیں کہ صحبت نبوی کے فیض یافتہ مسلمان ان خیرانہ عنایات کو برداشت نہ کر سکے، چنانچہ بعض حلقوں میں شدید احتجاج کے آثار نمایاں ہوئے۔ مگر ان کو دبانے کے لئے بہترین علاج یہ تجویز کیا گیا کہ اگر ملک کے کسی کو نے سے اشارتاً یا علانیہ کوئی آواز بلند ہوئی تو بلا رعایت کہ وہ آواز بلند کرنے والا جلیل القدر صحابی ہی کیوں نہ تھا اس کو عبرتناک سزا دی گئی۔ جیسا کہ حضرت ابوذر غفاریؓ، عمار بن یاسرؓ، عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ مشاہیر صحابہ کے دردناک سوانح حیات ہمارے اس دعوے کے شاہد ہیں۔

یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ حد اعتدال سے متجاوز ہونا آخر وبال جان بن جاتی ہے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور چاروں طرف سے حضرت عثمان پر نکتہ چینیاں شروع ہو گئیں۔ صحابہ کرام کے ساتھ ناروا سلوک عوام و خواص کے اشتعال کا موجب بنا۔ محمد بن ابوبکر جنھیں گورنر مہربنا کر بھیجا گیا کے خلاف خود مرکزی حکومت کی طرف سے ہی ایک عظیم سازش جلتی پرتلی کا کام کر گئی۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ کی براہ فرودگی احتجاج کرنے والوں کا بہترین سہارا ثابت ہوئی۔ اور ان بگڑے ہوئے حالات کی خلیج وسیع وسیع ہوتی چلی گئی۔ صبر کسے پیمانے پر بڑھو گئے۔ حالات پر قابو پانا مشکل ہو گیا۔ بالآخر دارالسلطنت مدینہ کے اندر ہی مقتدر صحابہ کرام کی موجودگی میں خلیفہ وقت کو چالیس دن تک محصور کر کے خود مسلمانوں نے ہی قتل کر دیا۔ اکابر صحابہ مہاجرین و انصاریں کوئی ایسا طریقہ اختیار نہ کیا جس سے خلیفہ اسلام کی جان بچ جاتی۔



یہ فتنہ و فساد کے واقعات تاریخ کی ہر کتاب میں ملتے ہیں۔ اور کتبِ احادیث میں کتابِ الفتن کے عنوان سے موجود ہیں۔ اور یہ حقائق تاریخچہ اتنے مسلم الثبوت ہیں کہ کسی کو بھی انکار کی جرأت نہیں ہو سکتی۔ یہی وہ علل و اسباب ہیں جن کی بنا پر پل عثمان کا ناگوار حادثہ رونما ہوا، اور یہی وہ تلخ واقعات ہیں جن پر پردہ پوشی کے لئے ابتداء سے ہی جدوجہد چلی آ رہی ہے۔ یہ کیوں؟ اور کس لئے؟۔ محض اس واسطے کہ اگر ان اسبابِ علل کا تذکرہ کھلے الفاظ میں کیا جائے تو قرونِ اولیٰ کے اکابرین ملت کے متعلق حسن عقیدت کے جذبات ختم ہو کر رہ جاتے ہیں اور ان کے متعلق بدگمانی پیدا ہو جانی کا قوی یقین ہے۔ ان واقعات سے نہ صرف صحابہ کرام کی آپس میں جنگ و جدل، حرصِ سرکاری اور طمع ریاست و ملک گیری واضح ہوتی ہے بلکہ ان کے کردار پر بھی ضرب کاری لگتی ہے۔ لہذا ان واقعات کے محبوب رکھنے کو ہی جن عقیدت اور ایمان کی سلامتی سمجھی گئی۔ خود صدر المتکلمین علامہ تفتازانی نے بھی شرح مقاصد جلد ۲ صفحہ ۲۰۶ میں ان حقائق کو اعترافاً تحریر فرمایا ہے۔ اربابِ تحقیق ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

جب حقائق اتنے واضح اور آشکار ہوں کہ جن سے انکار بدامت کا انکار ہے تو ان الزامات اور مطاعن کو جو اکابرین صحابہ پر عائد ہوتے ہیں۔ ان کے دامن سے صاف کرنے کے لئے کسی ایسی سبیل کو تلاش کرنے کی ضرورت محسوس کی گئی جس کی وجہ سے بعد والی نسلوں کو یہ باور کرایا جاسکے کہ ان تمام فتنوں اور منقلب حالات کا صدور اگرچہ انہی بزرگوں سے ہوا مگر حقیقتاً ان برگزیدہ لوگوں کو مکروہ فریب کے جال میں پھنسا کر فسادات پر آمادہ کیا گیا۔

مورخین اسلام نے ایسی شخصیت کو جس نے صحبتِ رسولؐ سے فیض یافتہ اور قرآن و حدیث کے مخاطبینِ اولین کو ملتِ اسلامیہ کی تاریخ کئی کا درس دیا "عبداللہ بن سبا" کے فرضی نام سے تعبیر کر کے ادراقِ تاریخ میں جگہ دی۔ تاکہ اپنے مقاصد

کی کامیابی کا سامان فراہم کیا جاسکے۔ اس لئے داستان سرارِ رِوَاۃ اور رطب و یابس جمع کرنے والے مورخین نے داستان الف لیلہ سے ملتی جلتی ایک کہانی تصنیف کر ڈالی اور ایک خیالی انسان پیدا کر کے سائے الزامات اُس کے سر منڈھ دیئے کہ جو کچھ کیا اسی نو مسلم یہودی نے کیا۔ اگر یہ مسلمان ہو کر فتنوں کے دروازے نہ کھولتا تو کچھ بھی نہ ہوتا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عثمان کی نرم مزاج پالیسی سے اُس نے فائدہ اٹھاتے ہوئے جامعۃ اسلامیہ کی تکجہتی کو آن واحد میں منتشر کر دیا۔ "عبد اللہ بن سبا" کی سرگرمیاں ملک کے طول و عرض پر چھا گئیں۔ اُس کی تقریروں نے عوام اور خواہں کو اپنے جادو میں لے لیا۔ سیاستِ وقت کو اُس نے ہر مقام پر چیلنج کیا اور مسلمانوں کی غالب اکثریت اس کے ہمنوا ہو گئی۔ اور لطف کی بات تو یہ ہے کہ مسیح اسلام ابو ذر غفاریؓ ایسا زاہد صحابی بھی اس کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ نہ رہ سکا۔ وہ اس قدر اقتدار حاصل کر گیا کہ خود تو مصر میں بیٹھا رہا، مگر مصر، کوفہ، بصرہ اور مدینہ کے لوگوں نے اُس کے اشاروں پر مرکزِ خلافت میں ہی عظیم الشان سلطنتِ اسلامیہ کے سربراہ حضرت عثمان کو قتل کر دیا۔ اس بے جوڑ کہانی اور مفروضہ داستان کے خیالی ہیرو "عبد اللہ بن سبا" کے متعلق مورخین کے تفصیلی بیانات ملاحظہ فرمائیے۔

## مورخین اور ابن سبا

صاحب تاریخ الامم والملوک علامہ ابن جریر طبری تحریر فرماتے ہیں :-  
 "ابن سبا صنعادیمین) کا ایک یہودی تھا، جو خلافت عثمانیہ میں  
 اسلام لایا اور مسلمانوں میں گھل مل گیا۔ ممالک اسلامیہ اور بلاد اسلامی  
 مثلاً کوفہ، بصرہ اور شام میں اس نے پروپیگنڈا کیا کہ جس طرح حضرت  
 عیسیٰ دوبارہ دنیا میں آئیں گے اسی طرح ہمارے پیغمبر دوبارہ تشریف لایا  
 ہوں گے۔ جس طرح ہرنی کا وصی ہوتا ہے اسی طرح آنحضرت کے وصی علیؑ  
 ابن ابی طالب ہیں جو کہ خاتم الاوصیا ہیں۔ عثمان غاصب ہیں۔ انھوں  
 نے وصی پیغمبر کا حق غصب کیا، لہذا ان سے جنگ کرنا واجب ہے  
 تاکہ حقدار کو حق مل جائے۔"

چنانچہ ابن سبا نے اس تحریک کے سلسلہ میں بلاد اسلامیہ میں  
 اپنی طرف سے پروپیگنڈا کرنے والے بھیجے اور انھیں سمجھایا کہ وہ ظاہراً  
 امیر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنا منسلک بنائیں اور مخفی طور پر عوام کو  
 حکومت کے خلاف برانگیختہ کریں۔ چنانچہ سبائین جہاں بھی ہوتے وہاں  
 کے حکام کے خلاف عوام کو نفرت دلاتے اور حکام کے عیوب کا پروپیگنڈا  
 بذریعہ خطوط و دوسرے بلاد میں کرتے۔

ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے بھڑکانے سے مسلمانوں  
 کی بہت سی جماعتیں حکومت کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئیں اور مدینہ پر چڑھ  
 دوڑیں، اور حضرت عثمان کا محاصرہ کر کے انھیں قتل کر دیا۔"

تاریخ طبری جلد ۳ ص ۳۷۹-۳۷۸۔ البدایہ النہایہ علامہ ابن کثیر جلد ۵ ص ۱۶۷۔ تاریخ ابوالفہام

صاحب تاریخ کامل علامہ ابن اثیر جنگِ حمل کے تذکرہ میں یوں رشتاد فرماتے ہیں  
 ”جب مسلمانوں نے حضرت علیؑ کی بیعت کر لی اور طلحہ و زبیر  
 جنگِ حمل کے لئے بصرہ چلے گئے۔ سبا میں نے دیکھا کہ دونوں شکروں  
 کے سردار باہمی سمجھوتے کی کوشش کر رہے ہیں، اگر یہ سمجھوتہ ہو گیا تو لا محالہ  
 سبا میں ہی حضرت عثمان کے قتل میں ماخوذ ہوں گے تو انھوں نے رات کو  
 جمع ہو کر طے کیا کہ دونوں شکروں میں سازش کا جان بچھا دیا جائے اور  
 صبح سویرے جنگ چھیڑ دی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔“

(تاریخ کامل، جلد ۳ ص ۹۶-۹۵)

علامہ رشید مدیر ”المنار“ مصر تحریر فرماتے ہیں :-  
 ”شیعیت کے اصول ایک یہودی عبد اللہ بن سبا نے گھڑے  
 جس نے مکہ و فریب سے کام لیکر اسلام ظاہر کیا اور لوگوں کو حضرت  
 علیؑ کے بارے میں غلو کی دعوت دی۔ غرض یہ تھی کہ امتِ اسلام میں  
 پھوٹ پڑ جائے اور مسلمانوں کی دین و دنیا غارت ہو جائے۔“  
 (کتاب السنۃ والشیعہ ص ۱۷)

ڈاکٹر حسن ابراہیم مصری کا بیان ہے :-  
 ”یہ فضا انقلاب کے لئے پوری طرح سازگار اور عبد اللہ بن سبا  
 اور اس کے پیروؤں کی باتوں کو قبول کرنے اور متاثر ہونے کے لئے  
 انتہائی حد تک تیار تھی۔ اس ہنگامہ کی آگ ایک جلیل القدر و عظیم اہمیت  
 صحابی نے بھڑکائی جو سابقین میں سے تھے، اور زہد و پیرہیز گاری میں مشہور  
 اور بزرگ ترین ائمہ حدیث سے تھے۔ یعنی حضرت ابوذر غفاریؓ جنہوں  
 نے عبد اللہ بن سبا کی باتوں میں اگر حضرت عثمان اور ان کے گورنر معاویہ

کی سیاست کو چیلنج کیا تھا۔

یہ عبداللہ بن سبا صناعا کا رہنے والا ایک یہودی تھا جو مسلمان ہو گیا تھا۔ اس نے ممالکِ اسلامیہ کے دورے کئے۔ ابتداءً اس نے حجاز سے کی، پھر بصرہ آیا، اس کے بعد کوفہ اور کوفہ سے شام و مصر گیا۔

(تاریخ الاسلام سیاسی ص ۳۲)

علامہ احمد امین فاضل مصر حضرت عثمان کے دور میں فتنوں کا تذکرہ کرتے ہوئے

فرماتے ہیں کہ :-

”ابن سبا حضرت ابوذر سے ملا اور اپنے خیالات و نظریات

ان کے سامنے پیش کئے۔ یہ ابن سبا ابوذر اور عباده بن صامت کے

پاس بھی پہنچا، مگر انھوں نے اس کی باتوں پر کان نہ دھرے۔ عباده

اسے معاویہ کے پاس پکڑ کر بھی لے گیا کہ اس نے تمھارے خدا ہنگامے

برپا کئے۔ ہم جانتے ہیں کہ ابن السودا (یہ عبداللہ بن سبا کا ایک لقب

بھی رکھا گیا — مؤلف) جو صنعا کا یہودی تھا عہدِ عثمان میں اس نے

اسلام ظاہر کیا۔ اس نے ارادہ کیا کہ مسلمانوں کے دین کو غارت کئے

اس نے شہروں میں بہت سے مضر اور نقصان رسا عقائد کی اشاعت

کی۔ جنھیں ہم بعد میں بیان کریں گے۔ اس نے بہت سے شہروں کا سفر

کیا۔ لہذا قوی احتمال اس کا ہے کہ اس نے یہ خیالات و نظریات یمن کے

مزدکیوں سے حاصل کئے ہوں۔ اور جناب ابوذرؓ خلوص نیت کے سبب

ابن سبا کی باتوں میں آگئے ہوں۔

حضرت عثمان کے آخری زمانہ میں خفیہ جماعتیں حضرت عثمان کو

معزول اور ان کی جگہ پر دوسرا خلیفہ مقرر کرنے کے لئے تمام ممالک

میں پھیلیں۔ انہی جماعتوں میں ایک وہ جماعت بھی تھی جو حضرت علیؑ کو خلیفہ مقرر کرنے کے لئے کوشاں تھی۔ اس جماعت کا سرگرم رکن عبداللہ بن سبا تھا۔ یہ شخص حضرت عثمان کے مخالفین میں سب سے سخت و شدید تھا۔ یہاں تک کہ حضرت عثمان قتل کر ڈالے گئے۔“ (فجر الاسلام ص ۱۳۶)

نو بڑے مستشرقین یورپ جنہوں نے ملکہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ کو ترتیب دیا ہے وہ اپنی تحقیق یوں پیش کرتے ہیں :-

”طبری اور مقریزی کی روایات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن سبا جن چیزوں کی تبلیغ کرتا تھا ان میں ایک چیز یہ تھی کہ حضرت محمد مصطفیٰؐ دوبارہ دنیا میں شریف لائیں گے، نیز وہ یہ بھی کہتا تھا کہ جس طرح بہرہی کے لئے ایک وصی ہے اسی طرح آنحضرتؐ کے وصی علیؑ ابن ابی طالب ہیں..... یہ ابن سبا انہی لوگوں میں سے تھا جو مصر سے مدینہ حضرت عثمان کو قتل کرنے کے لئے گئے تھے۔“ (دائرۃ المعارف الاسلامیہ جلد ۱ ص ۲۹)

لغت کی مشہور کتاب ”انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا“ میں ابن سبا کا یوں ذکر کیا گیا ہے :-

“Alidullah Bin Saba was a  
Sinian jew, He was an ului  
Mohamdan, He beleived that Ali  
was Mohammad's Successar, He was  
the fonder of Shia Sectar.”

(INCICLAPADIA BARTANICA 1929)

(عبداللہ بن سبا صنعا کا ایک یہودی تھا، حضرت علیؑ کا طرفدار تھا،

اور انھیں پنجم کا وصی سمجھتا تھا، شیعہ مذہب کا بانی سمجھا جاتا ہے۔

(جامع اللغات اردو جلد ۵ ص ۵۸۱ خواجہ عبدالجبار علی)

غرضیکہ جمہور مسلمین کے متقدمین علماء ہوں یا مورخین، یا پھر انہی کے ماخذوں پر اعتبار کرنے والے متأخرین ہوں، سب ہی نے عبداللہ بن سبا کے تذکرہ کو کسی نہ کسی رنگ میں پیش کیا ہے۔ اس حیرت انگیز مفروضہ استان کے وضع کرنے کی غرض اگر اسی حد تک ہی رہتی کہ حضرت عثمان اپنی کارروائیوں میں حق بجانب تھے اور ان سے خلاف دیانت و عدالت کوئی عمل ظہور پذیر نہیں ہوا تو جہاں اور بہت سے فرضی واقعات اور رطب و یابس مواد کو دیکھ کر متحکم مزاج انسان خاموش ہو کر محض خندہ زیر لبی پر ہی اکتفا کرتا ہے وہاں اس کہانی کو پڑھ لینے پر بھی شاید ایسا ہی ہوتا۔ مگر قیامت تو یہ ہے کہ ان ذمہ دار شخصیتوں نے سبائیت کا لیبل ہر اس شخص پر چسپاں کر دیا ہے جو حضرت عثمان سے خوش عقیدہ نہ تھا۔ بلکہ ان کی فروگذاشتوں کا شاک اور اپنی حق تلفیوں کا فریاد ہی تھا۔ مالک اشتر، عدی بن حاتم ایسے مقدس و زاہد جلیل القدر مؤمنین جو امیر المؤمنین حضرت علی ابن ابی طالب کے دست و بازو تھے کے اسمائے گرامی اس فہرست میں دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ مگر اس حیرت میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے جب یہ نظر آتا ہے کہ جناب ابوذر غفاری، عمار بن یاسر، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم وغیرہ صحابہ کرام بھی اس میں شامل کئے گئے ہیں جو آسمان رسالت کے درخشندہ ستارے تھے۔

اب ہم تھوڑا بہت تاریخی تجزیہ کر کے ذرا اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کرنا چاہتے ہیں کہ تقریباً ایک ہزار برس سے جس فرضی شخصیت (عبداللہ بن سبا) کے متعلق مورخین نے بہت کچھ لکھ مارا، اور اس کے تابعین یعنی فرقہ سبائین کی طرف وحشت انگیز باتیں منسوب کی گئی ہیں کہاں تک لباس حقیقت میں ملبوس نہیں۔ اور اس فرضی تذکرہ کی ابتداء کب ہوئی؟

# ابن سبأ کے افسانہ کی ابتداء کہاں سے ہوئی

ابن سبأ کے تذکرہ نویسوں اور افسانہ تراشوں نے اس کہانی کو قتل عثمان اور جنگِ جمل کے ضمن میں تو بڑی شد و مد سے پیش کیا ہے، مگر واقعہ جمل کے بعد کامل سکوت نظر آتا ہے۔ ابن سبأ کا انجام کیا ہوا؟ اور سبائی لوگ آخر گئے کہاں؟ جنگ کے بعد انھیں زمین کھاگئی یا آسمان؟ اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ حالانکہ چاہئے تو یہ تھا کہ اتنی بڑی زبردست انقلابی پارٹی کا ذکر حدیث اور تاریخ کی ہر کتاب میں موجود ہوتا اور ہر ایک راوی اس شہرانیگز گروہ کے کردار کو مذہبی فریضہ سمجھ کر امانت کے طور پر سلسلہ سلسلہ بیان کرتا چلا آتا۔ مگر جب ہم تاریخ کی اس ہم فرو گذاشت اور معالطہ آمیزی کا تاریخی تجزیہ کرتے ہیں تو اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ متقدمین ہوں یا متاخرین مسلمان ہوں یا مستشرقین سب نے اس قصہ کو طبری سے ہی نقل کیا ہے۔ اس امر کے ثبوت میں کہ تمام مورخین اس داستان کوئی میں طبری کے ہی خوشہ چین ہیں خود انہی کے بیانات سے ہم ثابت کئے دیتے ہیں تاکہ ہمارا دعویٰ تشنہ ثبوت نہ رہ جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایک ہزار سال سے اس قصہ کی ابتداء ہوئی اور حوں حوں نہ گزرتا گیا اس کی اشاعت میں روز افزوں ترقی ہوتی گئی۔ اب تو کوئی کتاب صحابہ کے حالات میں نہ لکھی جاتی ہوگی جس میں ابن سبأ کا حقوڑا بہت تذکرہ موجود نہ ہو فرق صرف یہ ہے کہ متقدمین نے بطور حدیث یا روایت اس کہانی کو بیان کیا۔ مگر متاخرین اسے ایک مسلمہ حقیقت خیال کر بیٹھے، اور بغیر واقعات کی جھان بین کے نقل و نقل کرتے چلے آئے۔ اس قصہ کی ابتداء کہاں سے ہوئی؟ اور کیوں ہوئی؟ اس کے ماخذ کیا ہیں؟ کون راوی ہے؟ اور اس کی حیثیت کتبِ مجال میں کیسی ہے؟ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:-



علامہ رشید مدیر المنار "مصر اپنی کتاب السنۃ والشیعہ" صفحہ ۴۲ میں ابن سبا اور جنگِ حبل کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں :-

"یو شخص جنگِ حبل کے واقعات کو تاریخِ کامل ابن اثیری میں غور کی نگاہ سے دیکھے تو اسے اندازہ ہوگا کہ سبائیوں کی سازش اور فتنہ انگیزی کہاں تک کامیاب ہوئی"

فاضل مصنف نے اس عبارت میں بالصراحت لکھا ہے کہ ان کا ماخذ تاریخِ کامل ہے۔ چنانچہ انھوں نے قارئین کی سہولت کی خاطر صفحات کی بھی تعیین کر دی ہے۔ اسی طرح مورخ ابوالفداء (المتوفی ۷۳۲ھ) نے بھی اپنی تاریخ میں دیگر غلط اسلط قصوں میں اس قصے کو بھی نقل کیا ہے اور کتاب کے دیباچہ میں باین لفاظ وضاحت کر دی ہے :-

"فاخرتہما واختصرتہما من الکامل تألیف الشیخ

عزالدین علی المعروف بابن الاثیر الجزری" (یعنی میں نے اپنی "تاریخ" کو ابن اثیر کی تاریخِ کامل سے ہی انتخاب کر کے لکھا ہے)۔

اس کے بعد جب ہم ابن اثیر (المتوفی ۷۳۳ھ) کی تاریخ کی چھان بین کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے یہ پورا افسانہ ۳۱۳ھ کے واقعات میں بیان کیا ہے، مگر یہ ذکر نہیں کیا کہ انھوں نے اسے کہاں سے اور کیسے لیا؟ البتہ اپنی کتاب کے مقدمہ میں صراحت کر دی ہے کہ :-

"میری تاریخ کا ماخذ زیادہ تر تاریخِ طبری پر ہے اور خصوصاً وہ واقعات جو صحابہ رسول کے مناقشات اور ان کے لڑائی جھگڑے کے متعلق ہیں وہ میں نے اسی قدر لکھے ہیں جس قدر طبری سے ملے ہیں اور

میں نے تمام مورخین میں سے طبری پر ہی اس لئے بھروسہ کیا ہے کہ وہ اس فن کے واقعی امام جامع العلوم، صحیح الاعتقاد اور صداقت شعار تھے۔“

موتیخ ابو الفداء ہون یا علامہ رشید مصری، سب ہی نے ابن سبا کے قصہ کو ابن اثیری کی تاریخِ کامل سے نقل کیا ہے۔ اور ابن اثیری کی تاریخِ خلاصہ ہی تاریخِ طبری کا۔ اگرچہ صاحبِ تاریخِ کامل نے دوسری تاریخوں سے بھی کم و بیش استفادہ کیا ہے تو چونکہ ابن سبا کی کہانی میں صحابہ کے مناقشات مذکور ہیں اس لئے بقول خود ابن اثیری یہ قصہ تاریخِ طبری سے ہی اخذ کیا گیا ہے۔

یہی حال صاحبِ "البدایہ والنہایہ" علامہ ابن کثیر دمشقی (المتوفی ۷۴۷ھ) کا ہے، انہوں نے ابن سبا کا پورا قصہ نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:

”هَذَا مَأْخُذٌ مَا ذَكَرَهُ أَبُو جَعْفَرِ بْنِ جَبْرِ حَمْدُ اللَّهِ“

(یہ خلاصہ ہے اس کا جسے ابن جریر طبری نے ذکر کیا ہے)

(البدایہ والنہایہ جلد ہفتم ص ۲۲۶)

اب رہ گئے ڈاکٹر حسن ابراہیم اور احمد امین مصری۔ انہوں نے اپنی اپنی تصنیفات میں ابن سبا کے افسانہ کو جہاں بھی ذکر کیا ہے وہاں حواشی پر تاریخِ طبری کا ہی حوالہ درج کیا ہے۔ اطمینان کے لئے ملاحظہ ہو حاشیہ "فجر الاسلام" مؤلفہ احمد امین مصری صفحہ ۱۳۶۔

”النظر الطبری ج ۵ صفحہ ۶ وما بعدها“ (یعنی دیکھو طبری

جلد ۵، صفحہ ۲۶ اور اس کے آگے۔)

اسی طرح ڈاکٹر حسن ابراہیم اپنی کتاب "تاریخ الاسلام سیاسی" صفحہ ۴۲

میں حضرت عثمان کے آخر زمانہ خلافت میں مسلمانوں کی حالت کی تصویر کشی اور ابن سبا کی

سٹر انگریزی کارڈ ناروتے ہوئے حاشیہ پر تاریخ طبری کا ہی حوالہ پیش کرتے ہیں۔  
پھر آگے چل کر صفحہ ۳۴۹ پر لکھتے ہیں :-

”ابن سبا، جس نے سب سے پہلے حضرت عثمان سے لوگوں کو  
متنفر کیا، اُس نے انھیں خلافت سے معزول کرنے کے لئے راستہ بالکل  
بہوار پایا۔“

اس عبارت کے حاشیہ پر بھی ڈاکٹر صاحب موصوف نے چار مرتبہ طبری کا ہی  
حوالہ دیا ہے اور صفحہ ۳۵۲ تک اس قصہ کو تحریر کرتے ہوئے بارہ مقامات پر طبری کو ہی  
پیش کیا ہے۔

اس کے علاوہ ایک مشہور مورخ فرید وجدی نے بھی اپنی کتاب ”دائرة المعارف“  
جلد ۷ میں لفظ ”عثم“ کے تحت اور جنگِ جمل کے ذکر کے موقعہ پر سلسلہ حالاتِ علیؑ  
ابن ابی طالب علیہ السلام ابن سبا کے واقعات کو بیان کیا ہے۔ اور پھر صفحہ ۱۶۰ صفحہ ۱۶۸  
اور صفحہ ۱۶۹ پر اشارہ یہ بھی لکھا ہے کہ ہم نے اس قصہ کو طبری سے ہی نقل کیا ہے۔

رہ گئے مستشرقین، تو ان میں فان فلوتن صاحب سیادتِ عربیہ مول یا تاریخ  
ادبِ عربی کے مصنف نکلسن۔ یہ دونوں بھی طبری کے ہی دستِ خوان پر بیٹھے ہوئے نظر  
آتے ہیں۔ کیونکہ انھوں نے جا بجا اپنے حواشی میں طبری کا ہی حوالہ دیا ہے۔

البتہ دائرة المعارف الاسلامیہ کے مستشرقین مصنفین نے ابن سبا کے حالات  
لکھتے ہوئے طبری اور مقریزی دونوں کا حوالہ پیش کیا ہے۔ مقریزی کی روایات اس لئے  
ناقابلِ اعتماد ہیں کہ نہ تو اُس نے سلسلہ اسناد ذکر کیا اور نہ ہی وہ ماخذ بتایا جس سے اُس نے  
اس کہانی کو لیا۔

مقریزی نویں صدی کا مورخ ہے۔ جو واقعہ اس کی پیدائش سے قریباً آٹھ صد سال  
پہلے گزرا ہو اُسے بغیر کسی سند و حوالہ کتاب بیان کر دینا جتنا ناقابلِ اعتبار ہو سکتا ہے وہ

ظاہر ہے۔ اور یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ دوسرے مورخین کی طرح مقریزی کا ماخذ بھی طبری ہی ہو۔

اب رہ گئیں انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا اور جامع اللغات۔ تو صاحب جامع اللغات نے تو ابن سبا کے متعلق اسی انسائیکلو پیڈیا کی انگریزی عبارت کو اردو کا لباس پہنا دیا ہے، اور خود انسائیکلو پیڈیا بذاتہ کوئی معتبر ماخذ ہی نہیں۔ اس کے سامنے بھی وہی تاریخیں ہیں جن کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ اس لئے ابن سبا کے معاملہ میں جس طرح دوسری تاریخوں کا ماخذ طبری ہے، اسی طرح یہ کتاب بھی اسی کی خوشہ چین نظر آتی ہے۔ مختصر یہ کہ ابن سبا کا قصہ خوب پھیلا اور مشہور ہوا۔ اکثر مورخین نے اس قصہ کو اسناد کے ساتھ ذکر کیا اور بلا واسطہ یا بالواسطہ طبری تک ہی اس کو پہنچایا۔ کچھ مورخین ایسے بھی ہیں جنہوں نے اپنی کتاب میں اس قصہ کو بلا حوالہ ہی درج کیا ہے لیکن کتاب کے شروع یا آخر میں مصادر کتاب کی فہرست میں طبری کا نام لکھ دیا ہے، یا پھر ان کتابوں کی تفصیل درج کی ہے جو طبری سے لکھی گئی ہیں۔

ان تمام باتوں سے حقیقت نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ طبری سے ہی اس قصہ ابن سبا کی بنیاد پڑی اور بعد میں آنے والے مورخین نے ان پر حیرت انگیز حد تک اعتماد کرتے ہوئے آنکھ بند کر کے اس فسانہ کو اپنی کتاب کی زینت بنا لیا اور سمجھ بیٹھے کہ ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے ہیں۔

اس واسطے ضروری ہوا کہ ہم طبری کے اوراق پر توجہ مرکوز کریں اور ابن سبا کی کہانی کے رواۃ کے سلسلہ اسناد کی چھان بین پر زور دیں۔

## موتخ طبری اور ابن سبا

ہم یہ تو ثابت کر چکے کہ مورخین نے ابن سبا کے من گھڑت افسانہ کو طبری سے ہی مانو ڈکایا ہے۔ طبری سے پہلے کی تاریخیں اس ذکر سے خاموش نظر آ رہی ہیں۔ اب اگر طبری کے اس باب کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ موتخ طبری نے فقط ایک شخص سیف بن عمر تمیمی برجی کوئی کے واسطے سے اس افسانہ کو روایت کیا ہے۔ چنانچہ ۳۳۵ھ کے واقعات میں امام طبری بیان کرتے ہیں:-

” اسی سال (۳۳۵ھ) جناب ابو ذر اور معاویہ کے اختلافات

و نزاعات ظہور پذیر ہوئے، اور معاویہ نے انھیں شام سے ہٹا دیا۔

بہت سی ایسی باتیں ہیں جن کو ذکر کرنا میں مناسب نہیں سمجھتا

جو لوگ اس باب میں معاویہ کو بے قصور خیال کرتے ہیں ان لوگوں نے

اس کے متعلق ایک قصہ بیان کیا ہے۔

” مجھے سیری نے لکھا کہ شعیب سے سیف نے حدیث بیان

کی، اُس نے عطیہ سے سنا، اُس نے یزید ثقفی سے، یزید ثقفی کہتا ہے جب

ابن سودا (ابن سبا) شام میں وارد ہوا تو ابو ذر سے ملا، اور کہا کہ اے

ابو ذر آپ معاویہ پر عجب نہیں کرتے “

(تاریخ طبری، جلد ۳ ص ۳۳۵)

اس کے بعد طبری نے ابن سبا اور ابو ذر کے قصہ کو سیف کے حوالہ سے بیان کرتے ہوئے آخر میں ابو ذر کے حالات اس فقرہ پر ختم کئے ہیں کہ دوسرے لوگوں نے ان واقعات کے اسباب میں بے شمار اور بہت سے قابل شرم امور بیان کئے ہیں جنکے ذکر کو میں نے پسند نہیں کیا ہے۔ پھر ۳۳۶ھ سے لیکر ۳۳۷ھ تک کے واقعات میں سلسلہ

قتل عثمان و جنگِ جمل طبری نے ابن سبا کے اس افسانہ کو اسی سیف کے ہی حوالہ سے بیان کیا ہے۔ سیف کے علاوہ کوئی دوسرا واسطہ ہی نہیں۔ اس سلسلہ میں اگر تاریخ ابن عساکر کا مطالعہ کیا جائے تو وہاں بھی یہی سیف ہی نظر آتا ہے۔ اور ابن عساکر کی تاریخ کا خلاصہ نویس عبدالقادر بن احمد بن بدران بھی ابن سبا کے قصوں کو سیدھا سیف تک منسوب کرنے کے طبری کا حوالہ پیش کر دیتا ہے۔

بہر حال ان قصوں اور افسانوں کو ابن عساکر نے سیف سے خواہ طبری کے واسطہ کے بغیر بیان کیا ہو یا پھر طبری کے واسطہ سے، دونوں صورتوں میں ان کا سلسلہ روایت سیف ہی پر جا کر تمام ہوتا ہے۔ اسی نے سب سے پہلے اسے تراشا اول اول کی طرف سے ہی اس کی نشر و اشاعت ہوئی۔

## سیف ابن عمیر

”علماء رجال اور محدثین کی نظر میں“

جب ہمیں یہ معلوم ہو چکا کہ سیف ابن عمیر ہی وہ راوی ہے جس نے ابن سبا اور سابقین کے قصہ کو افسانوی رنگ میں از خود بیان کیا، تو مناسب ہے کہ اس کی شخصیت اُسکے صدق و کذب اور ضعف و ثقافت پر علماء رجال اور محدثین عظام کے خیالات کا پتہ چلائیں کہ ان کی اس کے متعلق کیا رائے ہے۔

یہ سیف ابن عمیر ہی برجہبی کوفہ کا رہنے والا تھا اور دو کتابوں ”الفتوح والردہ“ اور ”الجمل والسير“ عائشہ و علیؑ کا مؤلف ہے۔ زمانہ خلافتِ ہارون الرشید میں اس کا انتقال ہوا۔ رواۃ کی شخصیت کا اندازہ کچھ تو ان کے حالات سے ہوتا ہے جو فن رجال کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ اور کچھ ان کی بیان کردہ روایات و احادیث کو پرکھنے اور ان کی

چھان بین کرنے سے۔ توجیب ہم کتب فن رجال کی ورق گردانی کرتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ ائمہ رجال نے سیف کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے :-

۱۔ "یسوی عن خلق کثیر (بے شمار گن نام اور مجہول محال من المجہولین" لوگوں سے روایت کرتا ہے)۔

۲۔ "ضعیف الحدیث (اس کی حدیثیں بہت ضعیف ہیں لیس بشیء" وہ کچھ بھی نہیں)

۳۔ "متروک یضع الحدیث" (متروک ہے حدیثیں گھڑا کرتا تھا)

۴۔ "وہو فی الروایۃ ساقط" (یہ ساقط الروایت ہے)

۵۔ "یسوی الموضوعات (معتبر اور ثقہ لوگوں سے منسوب عن الثقات" کر کے من گھڑت احادیث روایت کرتا ہے)

۶۔ "عامۃ حدیث منکرۃ" (اس کی زیادہ حدیثیں منکر ہیں اور وضع متکم بالوضع والزندقہ" اور زندقہ کے ساتھ متہم ہیں)

(فہرست ابن ندیم ص ۱۳۷۔ میں ان الاعتدال جلد ۱ ص ۱۳۸)

(تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۲۹۵ مطبوعہ حیدرآباد دارۃ المعارف ص ۱۳۵)

علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب "لسانی مصنوعہ فی الاحادیث الموضوعۃ" میں صرف ایک حدیث بطور نمونہ سیف ابن عمر سے نقل کی ہے۔ اور نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ حدیث موضوعہ ہے۔ اس کے سلسلہ اسناد میں سب ہی ضعیف راوی ہیں۔ اور سب سے زیادہ ضعیف ان میں سیف ہے۔

غرضیکہ فن رجال کے جلیل القدر علماء ابن معین۔ ابی حاتم۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ دارقطنی۔ ابن عدی۔ ابن حبان۔ عباس بن یحییٰ وغیر ہم سیف کو انہی الفاظ کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ابن سبائہ کا کوئی شخص عالم وجود میں ہی نہیں آیا۔ یہ ساری مصیبت سیف ابن عمر راوی کی ہے جس نے ابن سبا تو ابن سبا، ایسے فرضی صحابی بھی گھڑ لئے ہیں اور ان کے نام سے فرضی روایات بیان کر دیں جو کبھی پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ تمام مورخین خواہ عرب کے ہوں یا عجم کے، یا پھر مستشرقین متقدمین ہوں یا متأخرین، سب نے ابن سبا کے قصہ کو اسی سیف سے ہی نقل کیا ہے۔ اور سیف کی کذب بیانی اور افسانہ تراشی کا ہم نے پردہ چاک کر دیا ہے۔

اب جبکہ سیف ابن عمر کی قلعی بھی کھل چکی اور ابن سبا کے قصہ کی فرضی داستان بھی نکھر کر سامنے آگئی تو ہمارے خیال میں مورخین کے ابن سبا کے متعلق حیرت انگیز بیانات نارِ عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہو گئے ہیں، مگر پھر بھی ان کے مفروضہ بیانات سے جو شبہات پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے، ان کو صحیح تاریخ اور مسلم اسلامی تاریخ کی روشنی میں فکر و نظر کے اعتبار سے دیکھنا ضروری خیال کرتے ہیں کہ مورخین و مصنفین کے یہ الزامات اور نتائج کہاں تک درست ہیں۔

## مورخین کے شبہات اور الزامات

① - عبداللہ بن سبا نے اسلام قبول کرنے کے بعد اس عقیدہ کا رواج دیا کہ حضرت علیؑ و وصی رسولؐ ہیں اور ان کی اطاعت فرض ہے۔ نیز یہ کہ شیعیت کے اصول یہودیت سے ماخوذ ہیں۔ اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے۔ گویا عقیدہ رجعت ابن سبا کا ہی وضع کردہ ہے۔

② - حضرت عثمان کی مخالفت اور ان کے سنسنی خیز قتل کی تمام ذمہ داری



ابن سبا پر ہی عائد ہوتی ہے۔ صحابہ کرام یا دوسرے اکابرین ملت کا اس میں کوئی ہاتھ نہیں۔

(۳) - حضرت ابوذر غفاریؓ ایسا جلیل القدر صحابی بھی ابن سبا کی تعلیمات سے متاثر ہو گیا۔

(۴) - قتل عثمان کے بعد حضرت علیؓ کی بیعت کرنے والے سبائین ہی تھے جنکے سرگروہ عمارؓ، یاسرؓ، مالکؓ، اشترؓ، صعصعہؓ بن صوحان عدیؓ، عمرو ابن اطمقؓ، حجر بن عدیؓ و محمد بن ابی حذیفہؓ اور محمد بن ابوبکرؓ وغیرہ تھے، حالانکہ صحابہ کرام کی جماعت ان کی مخالف تھی۔

(۵) - بصرہ کی جنگ جو جنگِ جمل کے نام سے مشہور ہے وہ ابن سبا اور سبائین ہی کی ریشہ دوانیوں کا نتیجہ تھی۔ فریقین تو آپس میں شیر و شکر تھے اور صلح و صفائی کی پوری پوری اُمید ہو چکی تھی۔

اب ہم ان سچکانہ مستخرجہ نتائج اور تنقیحات کو سلسلہ وار ذیل میں اپنے مباحث کا عنوان قرار دیکر ان پر تاریخی تبصرہ اور محققانہ تجزیہ کرتے ہیں تفصیل سے لکھنا تو طول کا باعث ہوگا، کیونکہ یہ سب امور تاریخ اسلام کا ایک مکمل باب ہیں۔ اور ہماری یہ مختصر تالیف اس قدر مختل نہیں ہو سکتی۔ البتہ ان واقعات کا پس منظر اور اجمالی خاکہ پیش کر دینا ضروری ہے۔ تاکہ مورخین کے تعصب اور ان کی ذہنی بے راہ روی کے بارے میں ہمارے قارئین کسی حد تک رائے قائم کر سکیں۔ اور انھیں یہ پتہ چل جائے کہ فتنہ و فساد کی اصل وجوہات کیا ہیں۔ نیز ملت اسلامیہ کی ایک اہم مذہبی جماعت کے امتیازی عقائد کے بارے میں جو پروپیگنڈا کیا گیا ہے وہ کہاں تک درست ہے؟ کیا یہ عقائد عین اسلام ہیں؟ یا کہ مورخین کے خیالی ہیرو "عبد اللہ بن سبا" کے وضع کردہ ہے؟

مورخین نے عبداللہ بن سبا کے واقعات میں پہلا  
**شیعیت کے اصول** الزام یہ لگایا کہ شیعیت کے اصول یہودیت سے

ماخوذ ہیں۔ اور یہ کہ ولایت و وصایت علیؑ کا مسئلہ بھی ابن سبا نے ہی ظاہر کیا۔ اور رحبت  
 کا عقیدہ بھی اسی نے وضع کیا۔ ان کا خیال ہے کہ شیعوں نے انہی اصولوں کو اپنا کر  
 دوسرے مسلمانوں سے الگ تھلگ اپنا ایک مذہب بنا لیا ہے۔

ابن سبا کے متعلق تو ہم ثابت کر چکے کہ وہ فرضی شخص ہے۔ اس لئے یہ تو ہو نہیں  
 سکتا کہ شیعیت کے بنیادی عقائد اور اصول مذہب اُس نے گھڑے ہوں۔ پھر بھی  
 ذیل کے صفحات میں شیعیت کے بنیادی اعتقادات اور اُس کی مختصر تاریخ کو اجمال کے  
 طور پر پیش کر کے اس حقیقت کو واضح کاف کیا جاتا ہے کہ شیعیت درحقیقت اسلام کا  
 دوسرا نام ہے۔ اس سلسلہ میں ہم حجۃ الاسلام۔ یگانہ روزگار اور بحر تحقیق کے ناموں خواہیں  
 علامہ شیخ محمد حسین آل کاشف الفطار مرحوم کی تالیف بنیف "اصل اصول شیعہ"  
 جو اٹھوں نے عالم اسلام کے سامنے شیعیت کا تعارف کراتے ہوئے ایسی ہی قسم  
 کے الزامات اور اتہامات سے متاثر ہو کر لکھی ہے سے چند ایک اقتباسات پیش  
 کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ کیونکہ اہل علم کی نگاہ میں شیخ مرحوم اُن اساطین علم میں سے  
 ہیں جن کے خیالات کو سند کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔

” شیعہ نقطہ نظر سے مذہب دو حصوں میں تقسیم ہو سکتا ہے۔

یعنی علم و عمل۔

کچھ مسائل کا تعلق عقل سے ہے اور کچھ مسائل جسم سے متعلق  
 ہیں۔ وہ مسئلے جو عقل سے متعلق ہیں انہیں اصولِ دین سے موسوم  
 کیا جاتا ہے۔ اور وہ پانچ ہیں :- (۱) توحید (۲) عدل (۳) نبوت  
 (۴) امامت (۵) قیامت۔

جمہور مسلمین کے نزدیک توحید۔ نبوت اور معاد فقط تین اصول  
 دین ہیں۔ مگر عدل اور امامت شیعوں کے امتیازی معتقدات ہیں جن پر  
 وہ قرآن و حدیث سے کافی استدلال رکھتے ہیں۔ صاحبانِ ذوق ان کے  
 کتبِ کلامیہ کو مطالعہ کرنے کے بعد اس دعوے کی تصدیق فرما سکتے  
 ہیں۔ چونکہ توحید۔ نبوت اور معاد میں شیعوں کے ساتھ جمہور مسلمان  
 بھی متفق ہیں اس لئے ان تین اصولوں پر لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں  
 البتہ عدل و امامت پر کچھ نہ کچھ تحریر کرنا ہم ضروری خیال کرتے ہیں۔  
 توحید و نبوت کے علاوہ اصول دین

## مسئلہ عدلِ خداوندی

میں سے ایک اصل عدل بھی ہے  
 اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ خداوندِ عالم کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ اور نہ اُس سے  
 کوئی ایسا فعل سرزد ہوتا ہے جسے عقلِ سلیم برا سمجھے۔ جمہور مسلمانوں کا فرقہ  
 معتزلہ اس بارے میں شیعوں کے ساتھ متفق ہے۔ عدلِ خداوندی۔ باری  
 تعالیٰ کی صفتوں میں سے ایک صفت ہے۔ جس کا وجود جامعیت  
 کمال و جمالِ الہیہ کے لئے ضروری اور نشانِ توحید کے واسطے لازم سمجھا  
 جاتا ہے۔ اسی واسطے امامیہ فرقہ نے مسئلہ عدل پر خصوصیت کے ساتھ  
 توجیہ دی اور خداوندِ عالم کی اس صفت کو اصولِ دین میں شامل کر لیا۔  
 کیونکہ خداوندِ عالم نہ کسی انسان کو کسی کام کے واسطے مجبور کرتا ہے اور نہ  
 کسی کو اُس کے ترک کرنے کے لئے جبر سے کام لیتا ہے۔ بلکہ فرزندِ آدم  
 مختار ہیں۔ اسی بنا پر عقل اور اہل عقل نے افعالِ انسانی کی مدح و ذم  
 کو جائز سمجھا ہے، اور سزا و جزا کو درست خیال کیا ہے۔

اگر ہم اس قاعدے کو تسلیم نہ کریں تو ثواب و عقاب کا نظریہ

ہی باطل ہو جاتا ہے۔ اور بعثتِ انبیاء اور نزولِ کتب سماویہ بے سود اور وعد و وعید لا حاصل۔ مختصر یہ کہ اس مسئلہ میں مذہبِ امامیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ عادل ہے اور انسان آزاد و مختار ہے شیعہ حضرات کا یہ موقف قرآن و حدیث سے ماخوذ ہے اور اس پر وہ کافی سے زیادہ استدلال رکھتے ہیں۔

**مسئلہ امامت** عقیدہ امامت اصولِ خمسہ میں سے دین کی ایک اہم اصل ہے۔ اور یہی وہ اساسی اور بنیادی نظریہ

ہے جو اس مکتبِ خیال کو عام مکاتبِ فکر سے علیحدہ کرتا ہے۔ امامیہ حضرات اس عقیدہ پر قرآن و حدیث سے قطعی الدلالاتِ نصوص پیش کرتے ہیں۔ جس شخص کو ان کے مصنفاتِ کلامیہ کو دیکھنے کا اتفاق ہو، وہ ضرور اس بات کی تصدیق کریگا۔ اتہام تراشی وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہیں یا تو مذہبی تعصب نے اندھا کر دیا ہے یا پھر وہ شخص جو ان کے مذہبی ذخائر سے بے خبر ہے۔

شیعی نقطہ نظر کے اعتبار سے امامت نبوت کی طرح منصبِ الہی ہے۔ جس طرح خداوندِ عالم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے نبوت و رسالت کے جلیل القدر عہدہ کے لئے منتخب کر لیتا ہے۔ اسی طرح امامت کے سلسلہ میں بھی کسی کو کوئی اختیار نہیں۔ خود رب العزت نبی کو حکم دیتا ہے کہ وہ شخص منتخب کی امامت کا اعلان کرے۔ پیغمبر یا حکم شریعت کی تکمیل کے لئے نص کے ذریعہ اس چنی ہوئی ہستی کو خلق کا پیشوا بنا دیتا ہے۔ نبی اور امام میں فرق صرف یہ ہے کہ نبی پر وحی نازل ہوتی ہے اور امام خصوصاً توفیق کے ذریعہ رسول سے احکام حاصل

کرتا ہے۔ نیز انبیاء کی طرح امام بھی محصوم عن الخطا ہوا کرتا ہے تاکہ امکان وقوع خطا باقی نہ رہے۔

فرمانِ خداوندی ” اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا - قَالَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ - قَالَ لَا یُنَالُ عَهْدَ الظَّالِمِیْنَ “ عصمتِ امام کی روشن دلیل ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ عہدہ امامت منصبِ الہیہ ہے۔ اور منصبِ خداوندی ظالم کو نہیں مل سکتا۔ لہذا اسی عقیدہ عصمتِ امام کی وجہ سے امامیہ حضرات ائمہ اثنا عشر کو مفسرین الطاعة خیال کرتے ہیں۔ اور یہی خاص وجہ ہے کہ امام تمام علوم و صفات کے لحاظ سے سارے زمانہ پر فوقیت رکھتا ہے۔ کیونکہ مقصدِ امامت ہی یہ ہے کہ انبیا و انسانیت کو منزل تک پہنچایا جائے، اور نفوسِ بشری کو علم و عمل صالح سے سنوارا جائے۔ اس بنا پر امام کمالات کے اعتبار سے نبی سے کچھ کم اور بشر سے بلند ہوتا ہے۔

یہ تھا وہ عقیدہ امامت جس پر شیعوں کے مخالفین آوازیں بلند کرتے ہیں کہ یہ عقیدہ یہودیت سے ماخوذ ہے۔ اور حضرت علی علیہ السلام کی اطاعت فرض ہونے کا نظریہ عبداللہ بن سبا کا بنا بنایا ہے۔

رجال کشتی کی عمار کا مطلب **رجال کشتی** کی تائید میں رجال کشتی کی یہ عمارت بھی پیش کیا کرتے ہیں:-

” ذکر بعض اهل العلم ان عبد اللہ بن سبا کان یہودیًّا فاسلم ووال علیًّا وکان یقول هو علی یہودیٌّ فی یوشع بن نون وصی موسیٰ بالغلو فقال

فی اسلامہ بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ و  
 وآلہ وسلم فی علی علیہ السلام مثل ذلك وكان اول  
 من اشتهر بالقول بفرض امامتہ علی و اظهر البراءتہ  
 من اعدائہ و کاشف مخالفیہ و اکفرہم فمن ہرہنا  
 قال من خالف الشیعہ اصل التشیع والرفض  
 ماخوذ من الیہودیۃ (رجال کشی ص ۱۰۰)

(ترجمہ)۔ "بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ عبد اللہ ابن سبا یہودی تھا۔  
 پھر مسلمان ہوا تو حضرت علی علیہ السلام سے محبت کرنے لگا۔  
 جب وہ یہودی مذہب پر تھا تو یوشع بن نون اور حضرت موسیٰ کے  
 بائے میں غلو سے کام لیتا تھا۔ اسی عقیدہ کی بنا پر جب وہ  
 مسلمان ہوا تو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور  
 حضرت علی علیہ السلام کے بائے میں بھی غلو کرنے لگا۔ اور  
 یہی وہ پہلا شخص ہے جس نے حضرت علیؑ کی امانت کے عقیدہ  
 اور ان کے دشمنوں سے برأت کا نظریہ مشہور کیا۔ اسی واسطے  
 شیعوں کے مخالفین اصل شیعیت کو یہودیت سے ماخوذ خیال  
 کرتے ہیں۔"

مذہبیات کی بحث میں فریقین کے جذبات اگر تعصب و عناد  
 سے خالی ہوں تو یقیناً معنی خیز نتائج پیدا ہو سکتے ہیں۔ مگر جہاں لطف  
 کو محض زینچ کرنا ہی مطلوب ہو تو جو کچھ بھی تعاقب کرنے والے قلم سربے پڑا  
 ہو کر لکھ دیں انہیں کون روک سکتا ہے۔

علامہ کشی مرحوم کی محولہ بالا عبارت سے جبکا آغاز "ذکر

بعض اہل العلم کے عنوان سے کیا گیا ہے صاف پتہ چلتا ہے کہ فاضل مرحوم نے نہ تو اپنا نظریہ لکھا ہے اور نہ ہی دوسرے شیعہ علماء کا خیال پیش کیا ہے۔ بلکہ ان کا مطلب یہ ہے کہ مخالفین کے بعض اہل علم جنہیں شیعیت کے اصول مذہب سے کما حقہ واقفیت نہیں وہ "عبداللہ بن سبا" کے بارے میں ایسے ایسے خیال رکھتے ہیں اور اسی لئے شیعوں کے مخالفین کے نزدیک اصل شیعیت یہودیت سے ماخوذ ہے۔

حالانکہ شیعیت کی تاریخ آغاز کا اگر ذوق سلیم سے مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ کوئی نیا مذہب نہیں۔ بلکہ جہاں سے اسلام شروع ہوتا ہے۔ باغبانِ شریعت یعنی سرکارِ ختمی مرتبت نے اسلام کے ساتھ ہی اپنے ہی ہاتھوں سے یہ پودا لگایا، آبیاری کی، اور خود حضور ہی اسکی نگہداشت فرماتے رہے۔ یہ پودا بڑھ کر ہر بھر درخت ہوا اور رسولِ اسلام کی زندگی میں پھولنے بھی لگا، مگر ٹھپنے نہ پایا تھا کہ چراغِ نبوت گل ہو گیا۔ آگے چل کر علامہ شیخ مرحوم شیعیت کی تاریخ آغاز بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

"اس دعوے میں شیعہ منفرد نہیں بلکہ جمہورِ اسلام کے روادے اور محدثین اور علماءِ اعلام بھی شریک نظر آتے ہیں۔ احمد بن حنبل سیوطی۔ ابن حجر۔ زحشری۔ نسائی۔ ابن اثیر وغیرہ فحول علماء کرام نے ابن عباس اور حضرت علی علیہ السلام وغیرہ سے یہ روایت کی ہے کہ جناب پیغمبرِ اسلام حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کو فرمایا کرتے تھے "انت وشیعۃک لہم الفائزون یوم القیامت" ان علماء کے علاوہ

اہل حدیث نے بھی اس حدیث کو مختلف طرق سے بیان کیا ہے۔ تاریخ و حدیث کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اسی حدیث پر عمل کرتے ہوئے عہد نبوی میں صحابہ کرام کا ایک گروہ جناب امیر کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے۔ پھر ہی انہیں بلکہ اس جماعت کا ہر فرد حضرت امیر علیہ السلام کو اپنا روحانی پیشوا۔ تعلیم رسول کا حقیقی مبلغ نیز احکام و اسرار نبوت کا واقعی شراح اور مفسر تسلیم کرتا ہے۔ اور شیعہ کے نام سے شہرت پاتا ہے۔ صحابہ کی ایک جماعت تو پہلے ہی سے نفس رسول کے ساتھ تھی۔ مگر پیغمبر اسلام کی وفات کے بعد سیاسی مناقشات کے دور میں اور بھی بہت سے صحابہ کرام نے آپ کی معیت اختیار کر لی۔ سلمان۔ عمار۔ ابوذر۔ مقداد۔ خزیمہ۔ ذوالشہادتین اور ابوالیوب انصاری ایسے قریباً اسی سربراہ اور وہ اور بعد میں خصال شیخ صدوق کی روایت کے مطابق بارہ ہزار صحابی بدری اور عقبی مہاجرین و انصار ایسے تھے جو حضرت ابوتراب کی حمایت میں شامل ہو گئے۔ اور ان میں اکثر نے جنگ جمل و حرب صفین میں اپنی اپنی جانبیں نثار کیں۔ (ماخوذ از "اصل اصول شیعہ")

اور اسی سلسلہ میں شاہ عبدالعزیز دہلوی نے تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۱۶ میں ان صحابہ کرام اور ان کے بعد تابعین اور تبع تابعین جو دستبان شیعیت میں ہی تربیت پاتے رہے کا ذکر شیخان علی میں کیا ہے۔ اور نہایت فراخ دلی سے یہ اعلان بھی کیا کہ ہم بھی اسی شیعہ فرقہ سے ہیں۔

غرضیکہ صحابہ کے بعد تابعین اور تبع تابعین کے دور میں تو شیعیت میں کافی اضافہ ہو جاتا ہے۔ اور خصوصاً حادثہ فاجعہ کربلا نے تو اتنا گہرا اثر چھوڑا کہ آج عالم اسلام میں شیعیت ایک مسلم مذہبی تنظیم سمجھی جاتی ہے۔



# مسئلہ وصایت علی علیہ السلام

## اور ابن سبا

قدیم سے یہ سنتِ خداوندی چلی آرہی ہے کہ خدا کی طرف سے بندوں کی حجت پوری کی جاتی ہے۔ وہ حجت کبھی تو نبی کے ذریعہ پوری ہوتی ہے یا بعض اوقات خداوندِ عالم اس حجت کو جانشینِ نبی کے ذریعہ پورا کرتا ہے تاکہ بندے یہ نہ کہیں کہ ہمیں ڈرانے والا کوئی نہ آیا۔ یہ سنتِ خداوندی ایسی ہے کہ جس کو اُس نے اپنے اختیار ہی میں رکھا ہے۔ خود نبی کا انتخاب ہو یا اس کے وصی کا، خداوندِ عالم نے اسکا اہتمام خود کیا۔ کبھی تو "إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً" اور "يَا دَاوُدَ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ" وغیرہ نصوصِ ظاہرہ سے اعلان فرمایا۔ پھر انبیاء کی زبان سے اُن کی جانشینی کا مسئلہ حل کروایا۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون کو اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ابن عم علی ابن ابی طالب کو وصی اور خلیفہ نامزد فرمایا۔

غرضیکہ جس طرح بھی اہتمام کیا گیا۔ آدم سے لے کر خاتم تک وصایت کا سلسلہ جاری رہا۔ ذیل میں ہم معتد تاریخ سے چند ایک عبارتیں پیش کریں گے یہ ثابت کر دیتی ہیں کہ حضرت آدم سے لیکر جناب خاتم الانبیاء تک جتنے بھی مشاہیر انبیاء اور رسول گزیرے ہیں انہوں نے اپنے بعد اپنا جانشین اور وصی خود مقرر کیا۔ چنانچہ علامہ طبری حضرت آدم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"ان آدم عليه السلام مرض قبل موته احد

عشر يوماً ووصى الى ابنه وكتب وصيته ثم رفع كتاب

وصیت الی شیت۔ (ترجمہ) حضرت آدم علیہ السلام موت سے پہلے گیارہ دن بیمار رہے۔ اور اپنے فرزند شیت کو وصی مقرر کیا اور اس وصیت نامہ کو لکھ کر حضرت شیت کے حوالے کیا۔ (طبری جلد اول ص ۷۶)

”اسی طرح جناب شیت نے اپنے بیٹے انوش کو اور انوش نے اپنے بیٹے قینان کو اور قینان نے ہلائل کو اور ہلائل نے اپنے بیٹے یارد کو اور اس نے اپنے فرزند اوس کو وصی مقرر کیا۔ اور اوس نے متلوش اور متلوش نے اپنے بیٹے لک کو اپنا وصی و خلیفہ اور جانشین مقرر کیا جو حضرت نوح علیہ السلام کے والد بزرگوار تھے۔“

(طبری جلد ۱ ص ۷۸ - تاریخ کامل جلد ۱ ص ۲)

”جب حضرت نوح علیہ السلام کا وقت وفات قریب آیا تو انھوں نے اپنے بیٹے سام کو وصی قرار دیا۔“

(کامل جلد ۱ ص ۲۶ - روضۃ الصفا جلد ۱ ص ۳)

”اس کے بعد یہی سلسلہ چلتا ہوا حضرت ابراہیم تک پہنچا۔ حضرت ابراہیم نے اپنے بیٹے اسحاق اور اسحاق نے یعقوب اور جناب یعقوب نے اپنے بیٹے یوسف علیہ السلام کو وصی اور خلیفہ مقرر فرمایا۔ بعد ازاں جناب یوسف علیہ السلام نے جس روز انتقال کیا انھوں نے اپنی بھائی یہودا کو وصی بنایا۔“ (طبری جلد اول ص ۱۴۲ - روضۃ الصفا جلد ۱ ص ۶۲)

”حضرت ایوب کی عمر ۹۳ سال کی ہوئی اور اپنی موت کے وقت انھوں نے اپنے بیٹے حویل کو اپنا جانشین مقرر کیا اور ان کے بعد ان کا بیٹا عبدالآن وصیت کے مطابق خلیفہ ہوا۔“ (طبری جلد اول ص ۱۶۴)

کیلیا  
حکوم  
سلسلہ  
میں از  
آزگلا

”حضرت موسیٰ نے بھی اپنا جانشین خود مقرر کیا، اول حضرت ہارون کو اور جب اُن کا انتقال ہو گیا تو پھر یوشع بن نون کو وصی بنایا۔“

(طبری جلد اول ص ۲۲۵)

”خداوندِ عالم کی اس سنت پر عمل کرتے ہوئے حضرت یوشع بن نون نے کالب بن یوحنا اور انھوں نے اپنے فرزند یوساموس کو

خلیفہ بنایا۔“ (کامل جلد ۱۷ - روضۃ الصفا جلد ۱ ص ۱۳۵)

جناب الیاس پیغمبر اور اُن کے بعد الیسع اور جناب شعیا وغیرہ کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی نسبت علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں :-  
”وتوفی قبل ان یستخربناہما واوصی الی سلیمان“

(حضرت داؤد نے اپنی عمارت مکمل کرنے سے قبل ہی انتقال کیا اور خلافت کی وصیت اپنے بیٹے سلیمان کی طرف کی) (تاریخ الکامل جلد ۱ ص ۷۷)

”حضرت علی علیہ السلام کے وصایا میں سے ایک وصیت یہ بھی تھی کہ خداوندِ عالم نے انھیں شمعون کو وصی مقرر کرنے کا حکم دیا اور حواریوں نے شمعون کی خلافت کو قبول کیا۔“ (روضۃ الصفا جلد ۱ ص ۱۸۲)

حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت ادریسؑ تک جن اوصیاء کا ذکر ہم نے کیا ہے اُن تمام کے متعلق حامد الانصاریؒ نے بھی اپنی کتاب ”اسلام کا نظام حکومت“ مطبوعہ دہلی صفحہ ۱۰۷ میں نہایت تفصیل سے تذکرہ کیا ہے۔ علامہ مسعودی جنھیں مورخین میں غیر معمولی تفوق حاصل ہے وہ اپنی تاریخ ”مروج الذهب“ میں انبیاء علیہم السلام کے اوصیاء کے تقرر کا بیان تفصیل کے ساتھ پیش کرتے ہوئے آخر کلام میں لکھتے ہیں :-

”فكانت الوصیة جاریة منتقلة من قرن الى

قرنِ الی ان ادی اللہ النور الی عبد المطلب وولدا  
 عبد اللہ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم  
 (ترجمہ)۔ پس یہ وصیت ایک زمانہ سے دوسرے زمانہ تک منتقل  
 ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ خداوندِ عالم نے اس نور کو صلبِ عبد  
 المطلب میں اور حضرت عبداللہ والدِ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ  
 علیہ و آلہ وسلم میں ودیعت کیا۔

(مروج الذهب جلد اول ص ۳۹)

حضرت آدم سے لیکر خاتم الانبیاء تک انبیاء کے حالات پڑھنے سے یہ معلوم  
 ہوتا ہے کہ کسی ایک موقع پر بھی انتخابِ جانشین اور تقریر و وصی کا کام بندوں کے  
 سپرد نہیں ہوا۔ بلکہ خداوندِ عالم نے اپنے خاص اہتمام سے اس امر کو پایہ تکمیل  
 تک پہنچایا۔ ان میں ایسے نبی اور رسول بھی تھے جنہیں حکومت حاصل نہ تھی اور  
 ایسے انبیاء بھی تھے جنہیں اقتدار کی مسند حاصل تھی۔ یہ قاعدہ بلا استثناء جاری  
 رہا۔ ہر نبی اور ہر رسول اپنا جانشین حکیم خداوندی مقرر کرتا چلا آیا۔ اول یہ تقریر  
 خدا کی طرف سے ہوتا اس کے بعد نبی یا رسول اس کا اعلان کر دیتا۔ اور ہونا بھی ایسا  
 چاہئے تھا کیونکہ سنتِ الہیہ میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ جیسا کہ خود اس نے اپنے کلام میں  
 ارشاد فرمایا ہے:-

”لن تجد لسنة اللہ تبدیلاً“ (خداوندِ عالم کی سنت تبدیل

نہیں ہوتی)۔

چنانچہ اسی سنتِ قدیمہ کے مطابق خداوندِ عالم نے خاتم الانبیاء کے خلفاء اور  
 جانشینوں کا مسئلہ حل فرمایا۔ اور وصایت کا سلسلہ جاری فرمایا: ”یَسْتَخْلِفُھُمْ فِی  
 الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الذِّیْنَ مِنْ قَبْلِھُمْ“ یعنی امتِ محمدیہ کے خلفاء کو بھی

اُسی طرح مقرر کروں گا جیسا کہ سابقہ انبیاء کے اوصیاء و خلفاء کے متعلق طریقیہ اختیار کر چکا ہوں۔

لہذا خداوندِ عالم کے اسی اصولِ تقرر اور سنتِ انبیاء کے مطابق جناب رسولِ کریم ﷺ نے بھی وصایتِ علیؑ کا اعلان فرمایا۔ نبوت کی ابتدائی دعوت کے دور میں ہی دعوتِ ذوالعشر کے موقع پر اپنے برادرِ ابنِ عم حضرت امیر المؤمنین علیؑ ابنِ ابی طالبؑ کی وصایت کا اعلان کھلے بندوں فرمادیا۔ مورخین اور محدثین اسلام نے اس وصیت کے الفاظ کو اس طرح پیش کیا ہے :-

”قال هذا اخي ووصي وخليفة فيكم“ (فرمایا، اے لوگو! یہ میرا بھائی میرا وصی اور تم میں میرا خلیفہ ہے)۔

(تاریخ ابوالفداء جلد ۱ ص ۱۱۶ ؛ طبری جلد ۲ ص ۲۱۷ ؛ کامل جلد ۲ ص ۲۲ ؛ البدایہ والنہایہ ؛ ابن کثیر جلد ۳ ص ۴۷ ؛ کنز العمال جلد ۶ ص ۳۹۲ ؛ مسند احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۳۳۱ ؛ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۱۳۳)۔

مفتی اعظمِ قسطنطنیہ شیخ سلیمان قندوزی حنفی نقشبندی حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کی وصایت کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں :-

”فرمایا جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ اے علیؑ تم مجھ سے ایسے ہو جیسے آدم سے شیثؑ اور نوحؑ سے سائم اور ابراہیمؑ سے اسحاقؑ اور جیسے موسیٰؑ سے ہارونؑ اور عیسیٰؑ سے شمعونؑ ہیں۔ تم میرے وصی اور میرے وارث ہو۔ اور ان تمام وصیوں میں سے تم دین و علم اور حلم و شجاعت اور سخاوت میں افضل و بہتر ہو“

(بیابج المودۃ مطبوعہ استامبول ص ۸۶)

امام شافعیؒ جو ائمہ اسلام میں غیر معمولی شہرت کے مالک ہیں وہ اپنے عقیدہ

کا اظہار یوں کرتے ہیں :-

عَلِيٌّ حُبًّا جُنتَہُ  
وَصِيٌّ الْمُصْطَفَى حَقًّا

”علیٰ کی محبت گناہوں کے لئے ڈھال ہے۔ علی جنت و دوزخ کے تقسیم کرنے والے ہیں۔ اور وہ محمد مصطفیٰ کے حقیقی وصی اور جن و انس کے امام ہیں“

(نیابیح المودۃ ص ۸۶)

وصایت کی ان نصوص صریحہ کے علاوہ قرآن و حدیث کی بیشتر نصوص متواترہ اس مدعا پر روشن دلیل ہیں جن میں سے آیت ولایت، حدیث ولایت، حدیث منزلت حدیث غدیر اور حدیث ثقلین وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مگر ہم بخوف طوالت ان کو یہاں نقل نہیں کرتے۔ تفسیر حدیث اور تفسیر تواریخ کی جن کتابوں میں وصایت و خلافت علی کا تذکرہ ہے ان میں پیغمبر اسلام سے یہ الفاظ صاف طور پر مرقوم ہیں کہ ”یا علی تم میرے بعد میرے وصی، خلیفہ، جانشین، میرے ولی اور خاتم الاولیاء ہو۔“ اپنے ناظرین کی سہولت کے لئے ہم چند ایک حوالہ جات پیش کر دیتے ہیں تاکہ

ارباب ذوق ان مصنفات کی طرف رجوع فرما سکیں :-

”فتح الباری پارہ ۱۸ ص ۱۰۹، کنز العمال جلد ۶ ص ۱۵۲، مرجع الذیاب

جلد ۲ ص ۲۹۱، نصاریٰ کافیہ ص ۲۱، دیوان حضرت علی ص ۵، درمنثور

جلد ۲ ص ۸۱، روضۃ الاحباب جلد ۳ ص ۱۶، لالی مصنوعہ جلد ۱ ص ۲۵“

عقیدہ رجعت اور اسباب  
کہ رسول خدا دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے تو میرے خیال میں یہ اعتراض بھی اُن

لوگوں کا ہے جنہوں نے کلام الہی میں تدبیر سے کام نہیں لیا۔ کیا خداوندِ عالم اس بات پر قادر نہیں کہ وہ ایک گروہ کو دوبارہ زندگی عطا کرے؟ یہ کونسا ناممکن امر ہے۔ کلام الہی میں کیا یہ قصہ موجود نہیں؟

”الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ“

”لَهُمْ مَوْتٌ وَأَنتُمْ أَحْيَاءُ لَهُمْ“ (کیا ان لوگوں کے حالات پر غور

نہیں کیا جو موت کے ڈر سے ہزاروں کی تعداد میں اپنی گھروں

سے نکل کھڑے ہوئے۔ لیکن خدا نے کہا مرجاؤ اور انھیں موت

آگئی۔ اس کے بعد پھر اس نے انھیں زندگی بخش دی۔)

اور یہ آیت کریمہ کیا مسئلہ رجعت پر نص صریحہ نہیں؟۔

”يَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا“ (اور جس دن ہم ہر

امت میں سے ایک گروہ کو اٹھائیں گے۔)

اگر اس آیت سے مراد قیامت لی جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ بروزِ محشر ہر ایک

قوم سے ایک گروہ محشر کیا جائے گا۔ گویا ساری مخلوق محشر نہیں ہوگی۔ اس لئے

یہ آیت قیامت سے متعلق نہیں، بلکہ زمانہ رجعت سے متعلق ہے۔ جس دن کہ مخصوص

گروہوں کو زندہ کیا جائے گا۔

عقیدہ رجعت میں غلط اندیشیوں کی تعریف اور ان کا مبالغہ صرف ان کی ذہنی

کج رفتاری کا نتیجہ ہے۔ ورنہ عقیدہ رجعت شیعوں کا کوئی ایسا بنیادی مسئلہ نہیں جسکے

عدم قبول پر ایک مسلمان کو خارج از اسلام سمجھا جائے۔ بلکہ اس کا اقرار اسی طرح

ضروری خیال کیا جاتا ہے جس طرح اسلامی حلقوں میں اخبارِ بالغیب، علاماتِ قیامت،

آمدِ عیسیٰ اور خروجِ دجال وغیرہ کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ اگر یہ فرض کر بھی لیا جائے کہ

ابنِ سبأ کا کوئی وجود تھا، اور چند ایک عقیدے اس کے ایسے بھی تھے جو شیعوں سے

ملتے جلتے ہیں۔ جیسا کہ بعض مورخین نے بیان کیا ہے تو کیا کسی مسئلہ میں یہودیت سے اتفاق یہودیت کی دلیل ہے؟ مسلمان توحید کے قائل ہیں اور یہودی بھی ایک خدا کی پرستش کرتے ہیں، تو کیا اس اشتراک خیال سے اسلام کو یہودیت سے وابستہ کر نیکی جرات کی جاسکتی ہے؟ خدا جانے، اس عقیدہ پر طعن دینے والوں کو کیا لذت محسوس ہوتی ہے جو اس قدر جذبات کا مظاہرہ کرتے ہیں؟۔

## حضرت عثمان کی مخالفت اور اس کے اسباب و علل

اسلامی سلطنت کے اندر جو داخلی طور پر اختلافات رونما ہوئے اور پھر اسلام نے جن اختلافات کو بطور خیر فتنوں کے ضمن میں رشتاد فرمایا، وہ حرف بحرف خلافت عثمانیہ میں پورے ہوئے۔ تاریخ اسلام نے اس فسوسناک باب کو مشاجرات صحابہ کے عنوان سے تعبیر کیا ہے۔ تاریخ کے انقلاب اور اسلامی سیاست کی ایک اہم فروگذاشت نے ساری مملکت کو بنی اُمیہ کے سپرد کر دیا۔ حضرت عمر کی وسیع و عریض چھوڑی ہوئی سلطنت پر ان کا تسلط کیسے ہوا؟ تاریخ کا ادنیٰ طالب علم بھی اس حقیقت سے خوب واقف ہے۔

علامہ مقریزی جنھیں مورخین میں غیر معمولی شہرت حاصل ہے وہ تعجب کرتے ہیں کہ ”خلافت بنو اُمیہ تک کیسے پہنچ گئی، اور ان کے دل میں خلافت کی طرح پیدا کیوں کر ہوئی اور پھر خلافت کو حاصل کرنے کے بعد کاش بنو اُمیہ عدل و انصاف سے کام لیتے۔ مگر انھوں نے فیصلہ و احکام میں خود رائی سے کام لیا اور مال خراج کو اپنا ذاتی مال سمجھا۔“

(النزاع والتخاصم ص ۲۸)

ذیل میں ان امور کی مختصر فہرست معتبر اسلامی تاریخوں سے پیش کی جاتی ہے جو حضرت عثمان کی مخالفت کا سبب بنے۔



”اموال خراج ہو۔ یا اموال غنیمت، حضرت عثمان اور دوسرے  
بنو امیہ ان سب میں آزادانہ رائے رکھتے تھے۔ وہ ہر مال کو مال اللہ اور  
اپنے کو مسلمانوں کا مالک و مختار جانتے تھے۔ ان کا یہ قول تھا: *لناخذنَّ  
حاجتنا هذا الفعی وان صرغمت انوف اقوام* یعنی ہم اس  
مال غنیمت سے اپنی حاجت بھرنے کر رہیں گے۔ لوگوں کو  
بہا معلوم ہوتا ہے تو ہوا کرے۔“

(الوعد الحق ص ۳۳۹ و عثمان ص ۱۹۳۔ ڈاکٹر طاہر حسین مصری)

وہ زمینیں جو کسی خاص شخص کی ملکیت نہ تھیں اور بارش کا پانی اکٹھا ہو جانے  
کے سبب سرسبز رہتیں اور چراگاہ کا کام دیتی تھیں، اسلام نے ایسی اراضیات میں  
تمام مسلمانوں کے مساوی حقوق قرار دیئے تھے۔ مگر بنو امیہ نے یہ حقوق صرف اپنے  
لئے مخصوص کر لئے۔ مسلمانوں نے اس زیادتی پر صدائے احتجاج بلند کی جو باتیں  
آگے چل کر حضرت عثمان کے قتل کا سبب بنیں ان میں ایک یہ بات بھی تھی۔  
خود حضرت عائشہ نے بھی حضرت عثمان کے اس فعل کو ان امور سے شمار کیا  
جو مسلمانوں کی ناراضگی کا باعث ہوئے۔ چنانچہ *أمّ المؤمنین* ارشاد فرماتی ہیں:-  
”ہم ان کی ان باتوں پر ناراض ہوئے اور چراگاہوں کے اپنے  
ذات سے مخصوص کر لینے اور لوگوں کو کورسے و ڈنڈے سے مارنے پر بھی  
جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ ان کے مخالف ہو گئے اور ایسا کر ڈالا جیسے کپڑا  
رگڑا جاتا ہے“ [فائق زحشری جلد دوم ص ۱۱۰۔ و نہایہ ابن اثیر جلد ۱ ص ۴۹۸]  
”بازار محضول جو پیغمبر اسلام نے عام مسلمانوں کے لئے وقف  
کیا ہوا تھا، اُسے حضرت عثمان نے اپنے چچا زاد بھائی اور داماد حارث  
بن حکم کو بطور جاگیر دے دیا۔ اس کے علاوہ ابو موسیٰ اشعری گورنر کوفہ

جب بہت سا سونا اور چاندی لیکر آئے تو اسے حضرت عثمان نے اپنی لڑکیوں میں تقسیم کر دیا، نیز بہت المال سے اپنی اراضیات کی آبادی اور اپنے مکانات کی تعمیر پر تصرفات کئے۔

سیرت جلیہ جلد ۲ ص ۵۷۰۔ معارف ابن قبیۃ ص ۸۲۔ عقد الفرید جلد ۲ ص ۲۹۱

حکم بن عاص جو رسالت مآب کا دشمن ازلی تھا اور جسے آپ نے مدینہ سے طائف میں جلا وطن کر دیا تھا، آنحضرت کے بعد حضرت ابو بکر و عمر نے بھی سنت رسول پر عمل کرتے ہوئے اُس کو جلا وطن ہی رکھا، مگر حضرت عثمان نے اسے صرف مدینہ واپس بلانے پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ اُسے ایک لاکھ درہم اور بنو قضاہ سے وصول شدہ مال زکوٰۃ جو تین لاکھ درہم تھے بھی دیدی۔ حکم بن عاص کے علاوہ اُس کے بیٹے مروان کا معاملہ ایسا ہے کہ اُس وقت کے تمام مسلمان حضرت عثمان کی اس کارروائی سے سخت نالاں تھے۔ اور حقیقتاً مروان ہی کی بے اعتدالیوں اور سینہ زوریاں اصحاب رسول کی بے فروختگی کا موجب ہوئیں۔

فلسفی مورخ ڈاکٹر طرہ احسین "الفتنۃ الکبریٰ" میں حضرت عثمان کے حکم اور اسکی اولاد کے ساتھ اس قسم کا برتاؤ کرنے کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں :-

"حضرت عثمان نے حکم اور اُس کی اولاد کے ساتھ جو برتاؤ کیا

وہ ثبوت ہے کہ انھوں نے محض انھیں نوازنے کے لئے مدینہ بلایا تھا

اور دیگر مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنی جمعیت میں اضافہ کرنے اور

کے انتظامی معاملات کے کاموں اور مال و دولت سنبھالنے کے لئے

واپس بلایا۔ چنانچہ حضرت عثمان نے حکم کو بہت سی دولت عطا کی

اور جب حکم مرے تو انھوں نے اُس کی قبر پر عمارت بنوایا۔ انھوں نے حکم

کے بیٹے حارث کو شہر مدینہ کی منڈی کا نگران مقرر کیا۔ لیکن اُس نے

لیکن رسول کی بیٹی  
کی قبر کو دھوپ  
میں

لوگوں پر بھی زیادتی کی اور خود اپنے پر بھی۔ اس کا طرزِ عمل امانت اور پاکبازی کی بجائے حرصِ طمع اور حبِ مال و زر کا آئینہ دار تھا۔ حضرت عثمان نے اس بات پر بھی بس نہ کیا بلکہ حارث کو بہت سا مال بھی دیا، جس کا ذکر آگے آئے گا۔ پھر حضرت عثمان نے مردان بن حکم پر خصوصی نوازشات کیں، اُسے مال دیا اور مقرب بنا کر اپنا وزیر و مشیر مقرر کر لیا۔

یہ ساری باتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت عثمان نے حکم اور اُس کے بیٹوں کو صرف رحم و کرم کی وجہ سے واپس نہیں بلایا۔ بلکہ اُنکے بٹانے سے مقصد یہ تھا کہ وہ حضرت عثمان کے دست و بازو بن جائیں۔ میرا خیال ہے کہ حضرت عثمان کی اکثر باتوں میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن حکم اور اُس کی اولاد کا معاملہ ایسا ہے کہ اس میں حضرت عثمان کی طرف سے مدافعت مشکل ہے۔ (الفتنۃ الکبریٰ جلد اول اردو ص ۲۰۷-۲۰۶)

”اس بات کے علاوہ حضرت عثمان کو افریقہ کی جنگ سے جو مال ہاتھ آیا جس کی تعداد پانچ لاکھ اشرفیاں تھیں وہ سب کا سب اپنی بیٹی اُمّ ابان کے شوہر مردان جو آپ کا چچا زاد بھائی بھی تھا کو دیدیا۔ ان کا فیصل ان باتوں سے ہے جن کی لوگوں نے آگے چل کر گرفت کی۔ اس طرح سعید بن عاص کا معاملہ ہے جن کا باپ عاص پیغمبرؐ کو ازیت پہنچانے والوں سے تھا۔ یہی برتاؤ عبداللہ بن خالد کے ساتھ ہا جو حضرت عثمان کا داماد بھی تھا، انھیں بصرہ کے بیت المال سے چھ لاکھ درہم دلوائے گئے۔“ (مرآة المحمان یا فی جلد ۸۵۔ سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۲۵ معارف ص ۸۲۔ عقد الفرد جلد ۲ ص ۲۶۔ تاریخ کامل جلد ۲ ص ۳۸۔ انسا الاشرار جلد ۵ ص ۲۸)

ہم نے بطور نمونہ چند ایک مشہور واقعات پیش کر کے حقیقت کا اظہار کر دیا ہے

ورنہ حضرت عثمان کی عنایاتِ خسروانہ کی یہاں تو ایک طویل فہرست مرتب کی جاسکتی ہے کہ کس طرح حضرت عثمان نے عوام کے حقوق اپنے اقربا کے لئے مخصوص فرمادیئے جن لوگوں پر سب سے زیادہ داد و دہش کی بارشیں ہوئیں، ان میں بوسفیان، ولید بن عقبہ عبداللہ بن ابی سرح اور صحابہ کرام میں سے حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور زبیر بن العوام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ گویا حضرت عثمان کے دورِ خلافت میں سرمایہ دارانہ نظام اور جاگیر دارانہ خیال نے جنم لے لیا تھا۔ چنانچہ اسی دور کے متعلق جناب امیر علیہ السلام نے اپنے مشہور خطبہ شمشیقیہ میں حضرت عثمان اور ان کی قوم بنو امیہ کے مالیاتی مسلک پر تبصرہ فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں:

”قامرنا فجا حضنیہ بین نثیلہ ومختلفہ قامعہ

بنو امیہ یخضمون مال اللہ خضمة لابل نبتة الربیع“

✓ (قوم کا تیسرا آدمی..... کھڑا ہو گیا ساتھ ہی ساتھ اسکے

باپ دادا کی اولاد بنو امیہ بھی کھڑی ہو گئی اور خدا کا مال

اس طرح کھانے لگی جیسے اونٹ فضلِ ربیع کی گھاس کھا

جاتا ہے۔) (نیج البلاغہ جلد اول صفحہ ۲۴)

حقیقت الامر یہ ہے کہ اکابر صحابہؓ مہاجرین انصار کو معزول کر کے حکم اور اسکی اولاد کو مسلمانوں کا حاکم بنا دینا اور انھیں ہر قسم کی مراعات دیکر بالمال کر دینا یہ سب کی سب ایسی باتیں ہیں جن سے امتِ اسلامیہ کے ساتھ محض زیادتی ہی نہیں ہوئی بلکہ پیغمبر اسلام کی سنت اور حضراتِ شہین کی سیرت سے سراسر انحراف کیا گیا جس کا نتیجہ مسلمانوں کی خلیفہ وقت سے برا فروختگی کی صورت میں ظاہر ہوا۔

# اکابرین صحابہ اور حضرت عثمان

رضہ تمام مورخین نے متفقہ طور پر لکھا ہے کہ جب عمال حکومت کی  
**عبداللہ بن مسعود** بے اعتدالیاں حد سے تجاوز کر گئیں تو صحابہ کرام <sup>رضہ</sup> اٹھ کھڑے  
 ہوئے اور حکومت پر کڑی تنقید شروع کر دی۔ اس سلسلہ میں حضرت ابوذر غفاری کا واقعہ  
 تو مشہور ہے کہ انھیں اسی جرم میں ریزہ میں جلا وطن کر دیا گیا۔ ان کے علاوہ حضرت  
 عبداللہ بن مسعود جو پیغمبر اسلام کے اجلہ صحابہ میں سے تھے۔ قرآن و حدیث کے زبردست  
 عالم تھے، جب انھوں نے بھی حضرت ابوذر کی طرح عمال حکومت پر شرعی نقطہ نظر سے  
 تنقید شروع کی تو حضرت عثمان ناراض ہوئے اور ان کے درمیان ترش کلامی اس حد تک  
 پہنچی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کو پٹوا دیا گیا، یہاں تک کہ ان کی مٹی پٹی چور ہو گئی۔“  
 (تاریخ ابن کثیر جلد ۷ ص ۱۶۳، القنتہ الکبریٰ جلد ۱ ص ۱۵۹)

ڈاکٹر طہ احسین عبداللہ بن مسعود کے حالات میں لکھتے ہیں :-

”جب حضرت عثمان نے مرکز کی طرف سے قرآن مجید کے نسخے اطراف

مملکت میں بھیجنے کی اہم شروع کی اور اس کی کتابت زید بن ثابت کی  
 نگرانی میں مسلمانوں کی ایک جماعت کے ذمہ لگائی۔ اور قرآن کے دیگر  
 نسخوں کو جلانے کے احکامات جاری کئے تو قرآن کے نسخوں کو جلانے  
 پر لوگوں نے حضرت عثمان کی مخالفت کی اور ان پر اعتراضات کئے۔ اس  
 موقع پر عبداللہ بن مسعود کی مخالفت مزید شدت اختیار کر گئی اور ان کی  
 تنقید حضرت عثمان کے حق میں اور زیادہ سخت ہو گئی۔ وہ ہجرت کو لوگوں  
 سے وعظ فرماتے اپنی تقریروں میں کہا کرتے تھے ’صادق ترین قول کتاب  
 خدا ہے اور بہترین طرز عمل محمد کا طرز عمل ہے۔ بدترین امور وہ ہیں

جنہیں اپنی طرف سے دین میں ایجاد کر لیا گیا ہو، یعنی بدعتیں اور دین میں نیا اضافہ بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا ٹھکانہ جہنم ہے۔“ (الفتنۃ الکبریٰ اردو ص ۳۲۶)

حضرت عبداللہ بن مسعود کی ان تقریروں پر حضرت عثمان سخت غصہ ہوئے اور انھیں سخت سزا دلوائی۔ حضرت علی علیہ السلام نے حضرت عثمان کو ملامت کی اور عبداللہ بن مسعود کو اٹھوا کر گھر پہنچوا دیا۔ اس کے بعد فاضل مونیخ تحریر فرماتے ہیں :-

”حضرت عثمان نے اسی پر بس نہ کیا بلکہ انھوں نے حضرت ابن مسعود کا وظیفہ بھی بند کر دیا اور انھیں مدینہ شریف میں نظر بند کر دیا۔ حضرت ابن مسعود نے مجاہدین کے ساتھ مل کر شام جانا چاہا مگر حضرت عثمان نے اجازت دینے سے انکار کر دیا کیونکہ ان سے مروان نے کہہ دیا کہ اس شخص نے کوفہ کو آپ سے برگشتہ کر دیا ہے۔ اب آپ اسے یہ موقع نہ دیں کہ وہ شام کو بھی آپ سے برگشتہ کر دے۔ بدین صورت ابن مسعود حضرت عثمان کی مخالفت لئے کوفہ منتقل ہو گئے اور وہاں کوئی دو تین برس مقیم رہے اور اس مخالفت کو پھیلاتے رہے۔ اسی اثنا میں ان کی موت واقع ہو گئی۔“ (الفتنۃ الکبریٰ جلد اول ص ۳۲۸)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما صحابہ کرام کی جماعت میں امتیازی مقام رکھتے تھے اور پیغمبر اسلام کے جان نثاروں میں سے تھے اور یہ بھی حضرت عثمان کے سخت ترین مخالفین میں سے تھے۔ چنانچہ جب صحابہ کرام نے حضرت عثمان اور ان کے عمال حکومت کے خلاف ایک احتجاجی جلسہ کیا جس میں ایک قرارداد کے ذریعہ حضرت عمار یاسر کو نامزد کیا گیا کہ وہ حملہ تکالیف دربار خلافت تک پہنچائیں۔ حضرت عمار ایک نوشتہ لے کر حضرت عثمان کے پاس پہنچے۔ نوشتہ

میں صحابہ کرام کے خیالات کی پوری ترجمانی تھی کہ اگر آپ نے ان زیادتیوں کا تدارک نہ کیا اور ملتِ اسلام کے حقوق کو نہ پہچانا تو ہم لامحالہ کسی کارروائی پر مجبور ہوں گے۔ حضرت عمار نے دربارِ خلافت میں جب اسے پڑھ کر سنا یا تو حضرت عثمان ناراض ہو گئے اور کہا اے عمار! تجھے کبھی جرأت ہوئی کہ تم ہی اس نوشتہ کو میرے پاس لائے؟۔ تو حضرت عمار نے فرمایا کہ مجھے آپ کی خیر خواہی منظور ہے۔ حضرت عثمان غصہ سے سُرخ ہو گئے اور فرمایا کہ اے سمیہ کے بیٹے! تم جھوٹے ہو۔ حضرت عمار نے کہا کہ بیشک میں سمیہ کا بیٹا ہوں اور یا سر کا بھی۔ بس پھر کیا تھا، عثمان نے حکم دیا کہ اسے خوب پیٹا جائے۔ چنانچہ اسی وقت تعمیل کی گئی۔ اس مار پیٹ کے نتیجہ میں عمار کو عارضہٴ قفق ہو گیا اور وہ بے ہوش ہو گئے، یہاں تک کہ ان کی چند نمازیں بھی قضا ہو گئیں۔ عمار کی توہین اور مار پیٹ کی خبر آگ کی طرح پھیل گئی۔ عوام کے جذبات بھڑک اُٹھے۔ خلیفہ کے خلاف نفرت اور ناراضگی کی لہر دوڑ گئی۔ امّ المؤمنین حضرت عائشہ بھی سخت برہم ہوئیں اور انھوں نے بصرہ رنج و ملال عثمان سے فرمایا کہ افسوس! تم لوگوں نے کس قدر جلدی اپنے پیغمبر کے طریقہ کو ترک کر دیا ہے۔“

۱۶۶  
(کتاب انساب الاشراف بلاذری جلد ۱ ص ۱۶۶، مطبوعہ دار الفکر الکبریٰ جلد ۱)

حضرت ابوذر غفاری پہلے پہل اسلام قبول کرنے والوں میں سے ہیں۔ اور ان بزرگوں

میں سے ہیں جنہیں رسولِ خدا بہت چاہتے تھے اور جن کی پیغمبرِ اسلام بہت ہی تعریف فرمایا کرتے۔ ان کے زہد، تقویٰ اور پرہیزگاری کے اعتبار سے انھیں مثیل عیسیٰ کہا

جاتا ہے۔ اور عالمِ اسلام میں مسیحِ الاسلام کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ ان کی صداقت، صاف گوئی اور بے باکی کی نسبت جناب پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے فرمایا ہے۔

”ما اقلت الغبراء ولا اظلت الخضراء من رجلاً اصدق  
 لهجتاً من ابي ذر“ (زمین کے اور گنبد نیلوفری کے سایہ تلے  
 کوئی فرد بھی ابوذر سے زیادہ صاف گو اور بیباک نہیں ہوا)  
 حضرت ابوذر کے حالات میں ڈاکٹر طہ حسین مصری ان کے سیاسی و مذہبی  
 موقف کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :-

”ایک روز حضرت ابوذرؓ گیا دیکھتے ہیں کہ حضرت عثمان مردان

بن حکم کو بہت سا زرو مال اور اس کے بھائی حارث بن حکم کو تین لاکھ درہم

سے رہے ہیں۔ انھیں یہ بخشش قابل اعتراض معلوم ہوئی اور ان کی نظر

میں بخشش کی یہ مقدار بھی بہت زیادہ تھی۔ چنانچہ حضرت ابوذر سے نہ

رہا گیا، اور انھوں نے کہا۔ دولت جمع کرنے والوں کو عذابِ دوزخ

کی بشارت دیدو اور ساتھ ہی یہ آیت کریمہ تلاوت کی۔ وَالَّذِينَ

يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَفْقَهُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (۹/۳۳) (اور جو لوگ سونے چاندی کے

ذخیرے جمع کر رکھتے ہیں اور انھیں راہِ خدا میں خرچ نہیں کرتے

انھیں دردناک عذاب کی بشارت دیدے گا)

مردان نے حضرت ابوذر کے اس قول کا شکوہ حضرت عثمان

سے کیا۔ چنانچہ حضرت عثمان نے ان کے پاس اپنا ملازم بھیج کر انھیں

ایسی باتوں سے منع کیا۔ اس پر حضرت ابوذر نے کہا کہ کیا حضرت عثمان

مجھے کتاب اللہ کی قرأت اور حکم خداوندی کی نافرمانی کرنے والوں کی

نکتہ چینی سے منع کرتے ہیں۔ اگر حضرت عثمان ناراض ہو جائیں اور خدا

راضی رہے تو یہ بات مجھے زیادہ عزیز ہے یہ نسبت اس کے کہ حضرت



عثمان راضی ہوں اور خدا ناراض ہو جائے۔ حضرت عثمان نے ان کے بارے میں تھل سے کام لیا لیکن حضرت ابو ذرؓ اپنی تنقید و تنقیص پر باصرار قائم رہے اقتصاد و قناعت کی بدستور دعوت دیتے رہے۔ اور مال و دولت کی ذخیرہ اندوزی کے خلاف متواتر لوگوں کو متنبہ کرتے رہے۔

اس کے آگے چل کر فاضل موصوف لکھتے ہیں:-

"حضرت عثمان نے ابو ذر سے تنگ ہو کر انہیں شام میں بھیج دیا۔ لیکن وہاں بھی وہ زیادہ دیر ٹھہر نہ سکے۔ انہوں نے شام میں بھی وہی کچھ کہنا شروع کیا جو مدینہ شریف میں کہا کرتے تھے۔ علاوہ ازیں حضرت معاویہ کے بہت سے اقدامات پر اعتراضات کئے۔ انہوں نے حضرت معاویہ کے اس قول کی تردید کی کہ بیت المال خدا کا مال ہے اور کہا کہ وہ مسلمانوں کا مال ہے۔ انہوں نے امیر معاویہ کے تعبیر خضراء پر بھی اعتراضات کئے اور کہا "اگر تم نے اسے مالِ مسلمین سے تعبیر کرایا ہے تو خیانت کی ہے اور اگر اپنے مال سے بنوایا ہے تو فضول خرچی کا ارتکاب کیا ہے۔"

حضرت ابو ذرؓ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ "اغنیاء کو فقراء کے حقوق تلف کرنے سے ڈرتے رہنا چاہیے۔" لوگ حضرت ابو ذرؓ کے گرد جمع ہو جایا کرتے، ان کے ارشادات گوش توجہ سے سنتے اور ان کی دعوت قبول کرتے تھے۔ حتیٰ کہ امیر معاویہؓ حضرت ابو ذرؓ کی اس دعوت سے اہل شام کے برگشتہ ہو جانے کا خطرہ دامن گیر ہو گیا۔ چنانچہ انہوں نے حضرت عثمان کی خدمت میں شکایت نامہ ارسال کیا۔ حضرت عثمان نے جواباً تحریر کیا کہ ابو ذرؓ کو سخت بے پالاں سواری کے ذریعہ مدینہ بھیجا جائے۔

حضرت معاویہ نے تعمیلاً بڑی درستی و بے مروتی کے ساتھ انھیں مدینہ کی طرف روانہ کر دیا۔ مدینہ پہنچنے پر بھی انھوں نے تبلیغ جاری رکھی اور یہ کہتے رہے کہ اصحاب زر کو ان آتشیں سلاخوں کی بشارت دید و حین سے ان کی پیشانیوں پہلو اور پچھلیں اغی جائیں گی۔ ساتھ ہی وہ حضرت عثمان پر بھی طعن و اعتراض کرنے لگ گئے۔ کیونکہ انھوں نے مسلمانوں کے مال میں زائدہ متصرف شروع کر دیا تھا۔ نو عمر افراد کو عامل بنا لیے تھے اور طلاقاً فتح مکہ کے معافی میں ہونے (مغلوبین) کے فرزندوں کو مناصب حکومت عطا کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ ان باتوں سے حضرت عثمان تنگ آ گئے۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا، راوی اُسکے بارے میں مختلف اُترائے ہیں۔ کوئی یہ کہتا ہے کہ حضرت عثمان نے حضرت ابوذر کو حکم دیا کہ وہ مدینہ سے نکل جائیں اور جہاں چاہیں جا کر مقیم ہو جائیں البتہ شام۔ کوفہ۔ بصرہ اور مکہ میں قامت گزیں ہونے سے منع کر دیا چنانچہ حضرت ابوذر ریزہ میں چلے گئے۔“

(طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۶۸۔ بلاذری جلد ۵ ص ۱۰۱ الفتنۃ الکبریٰ جلد اول اردو ص ۳۵۶)

یہ ہیں وہ ناگوار حالات و واقعات جو حضرت ابوذر کو پیش آئے اور وہ صرف قرآن و احکام الہی و سنت رسولؐ کی نشر و اشاعت کے جرم میں نہایت مسکنت کی حالت میں جرم رسولؐ سے جلا وطن کر دیئے گئے۔ سیاست و وقت نے اتنا بھی خیال نہ کیا کہ وہ ایک جلیل القدر صحابی رسولؐ کے ساتھ اس قدر ناروا سلوک کرنے کی شرعاً کہاں تک مجانبہ۔

**مسکات اور ابن سبأ** عبداللہ بن سبأ کے قصہ کے رواۃ اور اس کے متعلق جہاں اس کے متعلق اور بہت سی باتیں کہیں ہیں یہ بھی الزام لگایا کہ حضرت ابوذر غفاری ایسا پاکباز صحابی رسولؐ بھی اس نو مسلم یہودی کے جھانسنے میں آیا ہوا تھا۔ حضرت عثمان

اور امیر شام کے خلاف تنقیدیں کرنا اور قرآنی آیات سے دولت جمع کرنے والوں کے خلاف احتجاج کرنا یہ سب کچھ ابن سبا ہی نے ابوذر کو سکھایا تھا۔ جدید عصر کے بعض نام نہاد مورخ تو یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ اشتر اکیٹ کی سب سے پہلی بنیاد ابن سبا نے رکھی اور اسکے خیالات سے متاثر ہو کر حضرت ابوذر غفاریؓ نے مملکت اسلامی میں اس کا پرچار کیا۔ گویا اشتر اکیٹ اور سرمایہ دارانہ نظام کے مابین یہ سب سے پہلی جھڑپ ہوئی۔

یہ الزامات کہاں تک درست ہیں؟ اور کس حد تک ان پر اعتماد کیا جاسکتا ہے انکا جواب مصر کے فاضل علامہ اکثر طہ حسین کی طرف سے پیش کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں :-

”عبداللہ بن سبا کے اس قصہ میں جو سب سے زیادہ حیرت انگیز

چیز ہے وہ یہ ہے کہ اس نے حضرت ابوذر کو امیر معاویہ کے اس قول پر

کہ ”بیت المال خدا کا مال ہے“ اعتراض و تنقید کرنے کی تلقین کی اور

انھیں سمجھایا کہ صحیح بات یہ ہے کہ امیر معاویہ کو یہ مال مسلمانوں کا مال کہنا

چاہیے۔ اسی تلقین کی روایت کے باعث یہاں تک کہا جانے لگا کہ حضرت

ابوذر رضی اللہ عنہ کا امر اور اغنیاء پر تنقید کرنے کا جو طریقہ تھا اور زروسیم

کے ذخیرہ کنندگان کو وہ جو عذاب الیم کی بشارت دیتے تھے کہ ان کی

پیشانیاں، پہلو اور پشتیں آگ سے داغی جائیں گی تو انھیں یہ سارا منگ

ابن سبا نے ہی پڑھایا تھا۔ میرا خیال ہے کہ اس سے بڑی زیادتی اور سچ کچھ نہیں

کی مثال ملنی دشوار ہے۔ حضرت ابوذرؓ ہرگز اس امر کے محتاج نہ تھے کہ ایک

نو وارد انھیں یہ پڑھائے کہ فقراء کے اغنیاء پر بہت سے حقوق ہیں اور انھیں

یہ بھی سمجھائے کہ زروسیم جمع کر کے راہِ خدا میں خرچ نہ کرنے والوں کے لئے

عذاب الیم کی بشارت ہے۔ نیز انھیں یہ بات بھی بتانے کہ غنیمت زکوٰۃ

یا خراج کا مال جو مسلمان بیت المال میں داخل کرتے ہیں یا ذمی بطور حزیہ یا خراج بیت المال کی نذر کرتے ہیں وہ مال مسلمانوں سے ہے لہذا واجب ہے کہ وہ مال بولنے میں کلمہ مسلمانوں ہی سے منسوب کیا جائے اور عملاً بھی انہیں پر خرچ کیا جائے۔

الغرض ابو ذر اس سے بالاتر تھے کہ ابن سبأ انہیں اسلام کے اولین حقائق و مبادیات کا درس دیتا۔ حالانکہ ابو ذر تمام انصار اور بہت سے ہاجرین سے قبل اسلام لائے تھے وہ حضور اکرم کی صحبت میں تا دیر رہے تھے انہوں نے بطریق احسن قرآن مجید حفظ کیا تھا وہ سنت پر سختی سے کاربند رہے تھے انہوں نے احوال و حقوق سے متعلق مسلک نبوی اور سیرت ابو بکر و عمر کو بچشم خود دیکھا تھا وہ اصول حرام و حلال سے اس طرح آگاہ تھے جس طرح دوسرے اصحاب رسول آگاہ تھے اور ان پر بطور احسن عمل پیرا بھی تھے۔

بہر حال جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ابن سبأ نے ابو ذر سے مل کر انہیں اپنے بعض خیالات کی تعلیم دی۔ وہ اپنے آپ پر بھی ظلم کرتے ہیں۔ اور حضرت ابو ذر پر بھی ساتھ ہی وہ ابن سبأ کو ایسا بلند مقام بخش رہے ہیں جس تک پہنچنے کا اسے خیال بھی نہ آیا ہو گا۔ حالانکہ یہ وہی ابو ذر ہیں جن کے متعلق راویوں کا بیان ہے کہ ایک روز شام سے مدینہ واپس آنے کے بعد وہ حضرت عثمان کے دربار میں کہہ رہے تھے۔ ”زکوٰۃ دینے والے کو یہ نہیں چاہیے کہ وہ اپنے ذمہ واجب الادا زکوٰۃ ادا کر کے بس کر دے۔ اس کا فرض ہے کہ سائلوں کو دے، بھوکوں کو کھانا کھلائے اور اپنا مال راہ خدا میں خرچ کرتا رہے“ کعب الاحبار اس وقت موجود تھے۔ انہوں نے

کہا جس نے اپنا فریضہ ادا کر دیا، اُس کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔" اس پر حضرت ابو ذرؓ کو غصہ آ گیا اور کعب الاحبار سے کہا "اے یہودی بچے! تمہیں اس معاملہ میں دخل اندازی کرنے کی کیا مجال ہے، کیا تم ہمیں ہمارا دین سکھاتے ہو؟" اور ساتھ ہی اُنھیں اپنی لکڑی کی نوک بھی چھوئی۔ غرض ابو ذرؓ وہ شخص ہیں جو کعب الاحبار تک کو دین سکھانے کی اجازت نہیں دیتے، حالانکہ کعب الاحبار ابن سبائے بہت پہلے اسلام لائے تھے اور وہ مدینہ کے پڑوس میں رہتے تھے، جہاں سے صبح و شام اصحابِ رسولؐ کے پاس آتے رہتے تھے۔ مزید برآں یہ کہ وہ حضرت عمرؓ اور عثمانؓ کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے رہتے تھے۔ اندر میں حالات یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ابو ذرؓ عبد اللہ بن سبائے اسلام کے بنیادی اصول اور احکام قرآنی میں سے کسی حکم کا سبق لینا گوارا کر لیتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی کے لئے یہ کس قدر مقامِ تعجب ہے کہ وہ ایک صاحبِ رسول کعب کو تو دین پر بحث بھی نہ کرنے دے اور پھر وہی دین عبد اللہ بن سبائے سے سیکھے۔

(الفتنۃ الکبریٰ اردو جلد اول ص ۳۸۶ تا ۳۸۹)

مصری فاضل کے حقیقت افروز بیان سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آ گئی کہ حضرت ابو ذرؓ جو کچھ بیان فرماتے اور حکومت پر تنقیدیں کرتے تھے وہ خود ان کے اپنے عقیدہ اور ان کے علم و یقین کی بنا پر تھا۔ یہ ساری تعلیمات عین اسلام کے مطابق تھیں اور انھیں وہ قرآن و حدیث سے حاصل کئے ہوئے تھے۔ ہم ابو ذرؓ اور ان کے مثل دوسرے مسلمانوں کو اس سے بالاتر سمجھتے ہیں کہ ان کے دین و سیاست اور ان کی عقل و فکر کے جذبات سے ایک نو مسلم یہودی کھیل بنا سکتے جسے مورخین کے بیان کے مطابق اسلام لائے ہوئے ابھی زیادہ دن بھی نہ گزرے تھے مزید برآں یہ

کہ اس نے اسلام بھی بر غبت یا بخوف قبول نہ کیا ہو بلکہ محض مکر و سازش اور فریب دہی کی خاطر روپ دھارا ہو۔

**مجلس شوریٰ کی ناراضگی**  
 صدر مجلس شوریٰ حضرت عبدالرحمن بن عوف عام مسلمانوں کے عقیدہ کی رُو سے عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں۔ اور

ان کا شمار بڑی عظمت والے صحابہ میں سے کیا جاتا ہے۔ یہی وہ بزرگ ہیں جنہوں نے مجلس شوریٰ کی سرپرستی کرتے ہوئے حضرت عمر کی بتائی ہوئی سکیم کے مطابق حضرت عثمان کو خلیفہ بنایا تھا۔ حالانکہ ان کے مقابلہ میں حضرت علی علیہ السلام بہر حالت میں افضل اور سچی خلافت موجود تھے۔ جس وقت حضرت عثمان کی خلافت کے معاملات اس نہج پر پہنچ گئے کہ جن پر قابو پانا ناممکن نظر آنے لگا۔ لوگ حضرت ابن عوف کے پاس جاتے اور کہتے کہ یہ ساری مصیبت آپ کی ہی لائی ہوئی ہے، آپ خلیفہ عثمان کو تنبیہ کریں کیونکہ آپ پر یہ ذمہ داری سب سے زیادہ عائد ہوتی ہے کہ انھیں سمجھائیں کہ وہ راعی اور رعایا کے حقوق پہچانیں۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمن بن عوف حضرت عثمان کے پاس آئے اور عوام کی شکایات ان کے سامنے پیش کیں۔ صاحب سیرت حلبیہ نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان نے عبدالرحمن کے چہرے کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ تم منافق

(سیرت حلبیہ جلد ۲ ص ۸۲)

کیا ہی حدیث عشرہ مبشرہ

چنانچہ اس کے بعد ابن عوف نے حضرت عثمان سے ترک موالات کیا اور کبھی بھی ان سے کوئی تعلق نہ رکھا۔

**صحابہ کرام اور جلا وطنی کی سزا**  
 حضرت عبداللہ بن مسعود۔ عمار یا سہر۔ ابوذر غفاری اور عبدالرحمن ابن عوف کے ساتھ

جو برتاؤ کیا گیا اس کے متعلق تو ہم نے گذشتہ صفحات میں مختصر ذکر کر دیا ہے کہ حضرت عثمان اور ان کے عمال حکومت کے اس اقدام سے پہلک میں ایک ناقابو اشتعال پیدا

ہو چکا تھا۔ ان کے علاوہ حکومت کی طرف سے اپنے مخالفین کے لئے ایک اور سزا تجویز کی گئی، یعنی یہ کہ جو بھی سزا اٹھاتا اسے فوراً جلا وطن کر دیا جاتا۔ صاحب سیرت حلبیہ نے عبادہ بن صامت کے متعلق لکھا ہے کہ :-

"وہ شام میں رہتے تھے اور وہاں پر ہی سلطنتِ عثمانیہ کی کارروائیوں پر زبردست تنقید کرتے۔ شام کے گورنر معاویہ بن ابوسفیان نے حضرت عثمان کو ان کے حالات لکھے جس کے جواب میں مرکزِ خلافت کی طرف سے یہ حکم صادر ہوا کہ انھیں شام کے علاقہ سے نکال باہر کسی اور علاقہ میں بھیج دیا جائے۔" (سیرت حلبیہ جلد ۲ ص ۸۲)

یہی حال عامر بن قیس کا ہوا، جس وقت کہ بصرہ کے مسلمانوں نے جمع ہو کر حضرت عثمان کے اعمال و کردار پر تنقید کی اور قراردادِ باپس کی کہ عامر بن قیس جو اپنے وقت کے مشہور عابد، زاہد تھے کو بطورِ نمائندہ حضرت عثمان کے پاس بھیجا جائے تاکہ وہ اہالیانِ بصرہ کی شکایات کو ان کے سامنے پیش کریں اور دادرسی کا مطالبہ کریں۔ عامر بن قیس مدینہ پہنچے اور اپنی نمائندگی کے فرائض سرانجام دیئے، مگر حضرت عثمان نے وہی سلوک کیا جو وہ دوسروں کے ساتھ کر چکے تھے۔ اور انھیں بصرہ سے شام کی طرف جلا وطن کر دیا۔

(عقد الزمرد جلد ۲ ص ۲۶۱)

مؤمنین کو فہ کامعاملہ دیگر مسلمانوں کی طرح کوفہ کے عوام اور سربراہ اور وہ اشخاص بھی حکومت وقت کی سیاسی پالیسی سے نالاں تو تھے ہی

مزید برآں ولید بن عقبہ کا نشہ کی حالت میں نماز پڑھا دینا موجب نفرت ہوا۔ چنانچہ حضرت عثمان کی خدمت میں شکایت بھیجی گئی جس پر انھوں نے ولید کو معزول کر کے اُن کی جگہ سعید بن عاص کو گورنر مقرر کر کے بھیج دیا۔ مگر سعید بھی ان کے ساتھ اچھا سلوک نہ کر سکا۔ جب راغی اور رعایا کے درمیان مزید کشمکش ہوئی تو سعید نے معززین کو جلا وطن کر نیکا

حکیم حضرت عثمان سے حاصل کر لیا۔ چنانچہ معصہ بن صوحان، زید بن صوحان، جناب بن زبیر، عدی بن حاتم، مالک بن جبیب، یزید بن قیس ارجی، عمرو ابن النخع، عروہ بن جنداور، حارث بن عبداللہ وغیرہ عمائد کوفہ کو جو جلیل القدر مومنین اور صحبت پیغمبر سے فیض یافتہ صحابی بھی تھے اور جن کی صحابیت پر کتب رجال گواہ ہیں، نیز یہ لوگ حضرت امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب کے دست و بازو بھی تھے شام کی طرف جلا وطن کر دیا۔

(تاریخ طبری جلد ۵ ص ۸۸ - ابن خلدون جلد ۲ ص ۳۸۷)

اس جلا وطنی کو حضرت عثمان کے تمام ہم عصر صحابہ و تابعین نے ناپسند کیا۔ مصر کے نامور مورخ ڈاکٹر طہ حسین اس جلا وطنی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

”حضرت عثمان کے ہم عصر صحابہ و تابعین نے اس جلا وطنی کو بہر حال ناپسند کیا اور اسے ناجائز جلا وطنی قرار دیا۔ کہنے والے کچھ ہی کہیں بہر صورت امام کو سزا دینے کا حق ہے لیکن اسے سزا دینے میں مروجہ اور معروف حدود سے تجاوز کرنے کا کوئی حق نہیں، ہم آگے دیکھیں گے کہ حضرت عثمان کے عمال نے جلا وطنی کی سزا دیکر خود اپنے اوپر اور اپنے امام پر نیز لوگوں پر ظلم کیا“ (حالات عثمان جلد اول ص ۲۴۱)

اب جبکہ حالات اس منزل تک پہنچ گئے کہ بڑے سے بڑے گرامی قدر کا صرہ انسانوں کے سمجھانے پر بھی ارباب اقتدار سے ٹس سے مس نہ ہوئے تو مدینہ میں مقیم ہاجرین و انصار کھلے بندوں حضرت عثمان کی مخالفت اور ان کے عبرت ناک قتل کی لوگوں کو ترغیب دینے لگے۔ ان کے علاوہ اہل بیت المؤمنین کے وظائف بھی کم کر دیئے گئے۔ حالانکہ سابقہ دو خلافتوں میں اہل بیت المؤمنین کا خاص طور پر احترام اور لحاظ کیا جاتا تھا۔ حکومت کا فیصلہ صحابہ کی اکثریت کی نصرت کا باعث ہوا۔ خود حضرت عائشہ اس قدر برا فروختہ ہوئیں کہ ان کی ناراضگی مخالفین عثمان کیلئے



کے لئے بہترین سہارا ثابت ہوئی۔ ان ہی حالات میں محمد بن ابی بکر کے قتل کی سازش جلتی پرتیل کا کام کر گئی۔ اہل مصر نے ہرچیز حضرت عثمان کو سمجھایا کہ اس سازش کے مرتکب مروان بن حکم جن کے پاس قلمدان وزارت تھا کو ہمارے حوالے کر دیا جائے مگر خلیفہ وقت اپنی مشہور نرم دلی کی وجہ سے مروان کو ان کے حوالے نہ کر سکے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مصری وفد نے انتقامی جذبات کے ساتھ غیظ و غضب کی حالت میں مدینہ کا محاصرہ کر لیا۔

جب حضرت عثمان محصور تھے تو اسی دوران  
**اُمّ المؤمنین اور مقتدر صحابہ کا فتویٰ**  
 میں جناب ام المؤمنین حضرت عائشہ نے حج کی تیاری کر لی۔ مروان - زید بن ثابت اور عبدالرحمن بن عتاب ان کی خدمت میں آئے۔ اور عرض کی کہ اے اُمّ المؤمنین کیا یہ اچھا ہوتا کہ آپ سفر کا ارادہ ملتوی کر دیتیں۔ آپ دیکھ رہی ہیں کہ خلیفہ وقت محصور ہیں، آپ کی موجودگی ان کے بچاؤ کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ عائشہ نے فرمایا کہ اب تو ہم نے تیاری مکمل کر لی ہے، کھڑا ممکن نہیں ہے۔ ان لوگوں نے دوبارہ درخواست کی، مگر پھر بھی انکار کر دیا۔ اس کے بعد مروان یہ شعر پڑھتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

حرق قیس علی البزہ وحتی اذا سعت احذما

یعنی (قیس نے شہروں میں آگ لگادی جب وہ آگ بھڑک اٹھی تو وہ بھاگ کھڑا ہوا۔)

نبی عائشہ نے فرمایا "اے مروان سن! خدا کی قسم، میرا توجی چاہتا ہے کہ تمہارے اور تمہارے صاحب عثمان دونوں کے پیروں میں ایک چکی بندھی ہوتی اور تم دونوں سمندر میں ڈال دیئے جاتے۔" یہ کہہ کر آپ مکہ روانہ ہو گئیں۔

(طبقات ابن سعد جلد ۵ ص ۲۵)

حدیث، لغت اور سیر و تواریخ کی معتبر کتابوں میں امّ المؤمنین کا ایک فتویٰ قتل حضرت عثمان کی نسبت پایا جاتا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں "اقتلوا النعثل" یعنی اے لوگو! نعثل کو قتل کر دو۔ نعتل سے مراد وہ حضرت عثمان یا کرتی تھیں۔

(اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۵، عقد الفرید جلد ۲ ص ۲۶۷، حیوة الحیوان جلد ۲ ص ۳۵)

اس فتویٰ کے لفظ نعتل کی تشریح کتب لغت مثلاً قاموس تاج العرب و س نہایہ ابن اثیر اور لسان العرب وغیرہ میں موجود ہے۔

بلاذری نے روایت کی ہے کہ جس وقت عبداللہ بن عباس کو حضرت عثمان نے موسم حج میں فسر مقرر کر کے مکہ میں بھیجا تو راستہ میں امّ المؤمنین سے ملاقات ہوئی تو نبی نے فرمایا "اے ابن عباس! خدا نے تجھے سمجھ بوجھ دی ہے لہذا لوگوں کو عثمان سے روگرداں کر دو۔" پھر خود مکہ پہنچ کر مسجد الحرام میں بھی امّ المؤمنین نے حضرت عثمان کے خلاف بہت کچھ فرمایا۔

(انساب الاشراف بلاذری جلد ۵ ص ۸۵)

حضرت طلحہ اور زبیر مقتدر صحابہ میں سے تھے۔ اور بقول حضرت طلحہ اور زبیر ایک مسلک کے عشرہ مبشرہ کے درخندہ ستارے اور حضرت عمر کی مقرر کردہ خلافت کمیٹی کے نامزد ارکان بھی تھے۔ پہلے پہل تو ان کے لوں میں خلافت کا خیال تک بھی نہ تھا۔ مگر جب انھیں حضرت عمر نے امیدوارانِ خلافت میں انتخاب فرمایا تو اس وقت سے ہی وہ اپنی کامیابی کے خواب دیکھ رہے تھے۔ حضرت عثمان کے دور کے فتنوں میں ان کی اُمیدیں اور زیادہ بختہ ہو گئیں۔ ابتدا میں تو یہ خاموش رہے۔ مگر بعد میں میدانِ خلافت کو صاف کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور حضرت عثمان کے خلاف علانیہ لوگوں کو قتلِ خلیفہ پر اُکسانے کی کوششیں کرنے لگے۔

بلاذری نے ابن سیرین سے روایت کی ہے کہ۔

"اصحابِ پیغمبر میں طلحہ سے بڑھ کر خونِ عثمان کا کوئی پیاسا نہ تھا۔"

(انساب الاشراف جلد ۵ ص ۸۱)

”چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جنگِ جمل میں جب مروان نے ایک تیر کے ذریعہ حضرت طلحہ کو قتل کر دیا تو خشریہ کہا کہ آج میں نے عثمان کا بدلہ لے لیا ہے۔ جب حضرت عثمان مھوڑے تھے تو حضرت علی المرتضیٰ نے طلحہ سے کہا کہ تم عثمان کو لوگوں سے بچانے کی کوشش کرو، تو جواب میں حضرت طلحہ کہنے لگے کہ خدا کی قسم اُس وقت تک ایسا نہیں کر سکتا جب تک کہ بنو امیہ پورا پورا قرضہ نہ ادا کر دیں۔ چنانچہ ایامِ محاصرہ میں جب کوفہ و مصر والے رات دن حضرت عثمان کے دروازے پر پیرہ دیتے تو طلحہ دونوں جماعتوں کو عثمان کے خلاف بھڑکاتے رہتے اور یہ کہتے کہ جب تک عثمان کو دانہ پانی مل رہا ہے انھیں تمہارے محاصرہ کی کیا پرواہ ہوگی۔ لہذا پانی اندر نہ جانے دیا جائے۔“

(امانتہ والسیاستہ جلد ۱ ص ۲۲ : طبری جلد ۵ ص ۱۳۹)

”یہی حال زبیر بن العوام کا تھا وہ بھی حضرت عثمان کے خلاف عوام الناس کو ابھارتے تھے۔ زبیر اکثر فرمایا کرتے تھے ”اقتلوہ فقد بدل دینکھ“ (اس کو قتل کر ڈالو اس نے تمہارے دین کو بدل دیا ہے)، بعض لوگوں نے کہا کہ آپ کے بیٹے تو عثمان کے دروائے پران کی حمایت میں کھڑے ہیں۔ تو زبیر نے کہا کہ عثمان کا قتل کیا جانا مجھے ذرا بھی ناگوار نہیں، اگرچہ اس سے قبل میرا لڑکا ہی کیوں نہ قتل کر ڈالا جائے۔“ (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد ۲ ص ۱۲۲)

صحابہ کرام کا متفقہ فیصلہ  
مدینہ کے عامتہ المسلمین اور صحابہ کرام میں جب حضرت عثمان کے خلاف سخت ہیجان پیدا ہوا اور ان کے سمجھانے بچھانے پر بھی کوئی صورت کارگر نہ ہوئی تو ان لوگوں نے جن میں مہاجرین و انصار کی کافی جماعت موجود تھی، اپنے فیصلے کو آخری صورت میں اس طرح ظاہر کیا کہ مدینہ کے باہر جو صحابہ و تابعین سرحدی علاقوں میں مقیم تھے اور جہاد و غیرہ کی ضرورتوں کے ماتحت وہاں رہتے تھے انھیں خطوط لکھ کر منگوانا شروع کیا اور بغاوت میں دعوتِ شرکت دی۔

اور کہا کہ اگر آپ لوگ جہاد کرنا چاہتے ہیں تو جلدی مدینہ پہنچے۔ کیونکہ دین محمد میں فساد  
اگیا ہے۔ (طبری جلد ۵ ص ۱۹۶)

ڈاکٹر طہ احسین کا بیان ہے کہ :-

”مدینہ میں مقیم صحابہ ان اصحاب رسول کو لکھ رہے تھے جو سرحدی

علاقوں میں منتشر تھے کہ مدینہ میں واپس آجائے تاکہ خلافت کے معاملہ میں جو

ہل پڑ گئے ہیں انہیں نکالا جائے۔ یہ لوگ ان کو یہ بھی لکھتے تھے کہ آپ

لوگ جہاد کی جستجو میں نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ حالانکہ میدان جہاد آپ کے

پیچھے ہے۔ دین کی سلامتی اور حفاظت کی خاطر مدینہ کی طرف لوٹ آؤ کیونکہ

اقتدار نے دین کو ایک بہت بڑے فساد کی نذر کر دیا ہے۔“

(الفتنۃ الکبریٰ اردو جلد اول ص ۴۳۳)

ایام محاصرہ میں جب حضرت عثمان نے امیر شام معاویہ بن ابوسفیان کو امداد کے

لیئے طلب کیا تو وہ محض اس لئے نہ آئے کہ مہاجرین و انصار جو نیکہ حضرت عثمان کے خلاف

جمع ہو گئے تھے اور ان کی مخالفت کو امیر معاویہ نے ناپسند کیا۔ مویخ طبری نے عثمان

کے خط اور معاویہ کے جواب کو ان الفاظ میں لکھا ہے :-

”تحقیق اہل مدینہ پھر گئے ہیں۔ اور انہوں نے میری اطاعت

چھوڑ دی ہے اور بیعت توڑ دی۔ تم بغیر توقف کے اہل شام کا ایک

شکر جہاز لے کر آؤ۔ جب معاویہ کو یہ خط ملا تو اس نے تعمیل حکم کی اور اپنی

کی اور اصحاب رسول کی مخالفت کو مکروہ جانا، کیونکہ اسے معلوم ہو گیا تھا

کہ وہ عثمان کے خلاف جمع ہو گئے ہیں۔“ (طبری جلد ۵ ص ۱۹۵)

حضرت عثمان کے زمانہ میں جو ملک کی حالت ہو گئی تھی وہ محتاج بیان نہیں۔ اس

زمانہ کے فتنہ و فساد کا ذکر تاریخ کی ہر کتاب میں پایا جاتا ہے اور فتنہ و فساد کی تصویر

حدیث کی ہر کتاب میں ملتی ہے۔ آنحضرتؐ نے جو اس زمانہ کی تصویر کھینچی ہے وہ کتاب الفتن کے عنوان سے کتب احادیث میں صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ فوراً ہی میرے بعد تم پر ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ لوگ اسلام کے دائرہ میں سے اس طرح خارج ہو جائیں گے جس طرح وہ فوج در فوج اس میں داخل ہوئے تھے۔ اور لوگ اس طرح دین سے نکل جائیں گے جس طرح تیر کمان سے نکل جاتا ہے اور پھر واپس نہیں آتا۔ صبح کو ایک شخص مؤمن ہے تو شام کو کافر، اور شام کو مؤمن ہے تو صبح کو کافر۔ جمہور اسلام کا خیال ہے کہ یہ حالت حضرت عثمان کے زمانہ شہادت کا نقشہ ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ حضرت عثمان کو خود مسلمانوں نے جن میں پیغمبر اسلام کے بہتے

جلیل القدر صحابہ کرام بھی شامل تھے ملکر قتل کیا ہے۔ حضرت عثمان مظلوم قتل ہوئے یا قتل کرنے والوں کے پاس کوئی شرعی حجت تھی۔ اس کا ذکر ہم نے سابقہ صفحات میں تفصیل سے پیش کر دیا ہے۔ ناظرین خود فیصلہ کر لیں۔ مگر اس بات میں کسی کو تامل نہیں کہ خلیفہ وقت کو مارنے والے نہ یہودی تھے اور نہ عیسائی بلکہ وہی لوگ تھے جو کل تک انبعاثِ خلافت میں بنو ہاشم کے مقابلہ پر حضرت عثمان کے ساتھ تھے۔ زیادہ حیرت انگیز تو بات یہ ہے کہ خود دار السلطنت مدینہ کے اندر مسلمانوں کا حکم سارا محصور ہو کر قتل کیا جا رہا ہے اور اکابر صحابہ مہاجرین و انصار موجود ہیں مگر خلیفہ کو بچانے کی کوئی مؤثر کارروائی نہیں کی جاتی۔

ایک اہم جواب طلب سوال تاریخ اسلام کا یہ پہلا اور آخری واقعہ ہو گا کہ ایک ہرول عزیز حاکم اپنی پارٹی کی موجودگی میں چالیس روز تک محصور ہو کر بے دریغ قتل کیا جا رہا ہے۔ مگر اس کے خیر خواہ، عمال حکومت اور ہم مشرب لوگ اس کے بچانے کی کوئی مؤثر تدبیر نہیں کرتے۔ اس سلسلہ میں فاضل مورخ ڈاکٹر طاہر حسین مصری اپنی کتاب "الفتنة الكبرى" کے تیسویں باب میں اہم سوال اور

پھر اس کے بعد جواب پیش کرتے ہیں :-

” اس مقام پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے جس کا قدامت نے کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا، بلکہ اکثر بزرگوں نے تو اس کا جواب دینے کی کوشش ہی نہیں کی۔ لیکن بایں ہمہ ہمیں اس سوال کا جواب تلاش کرنا ہی پڑے گا۔ سوال یہ ہے کہ حضرت عثمان کے عمال نے ان کو مدد دینے میں کس طرح اور کیوں اتنی تاخیر اور سُستی روارکھی کہ باغی حضرت عثمان کا دیر تک محاصرہ کئے رہے اور آخر کار ان کو قتل کر دینے میں کامیاب ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ محاصرہ چالیس دن تک جاری رہا۔ یہ صحیح ہے کہ ذرائع نقل و حمل آسان اور قریب نہ تھے، لیکن دوسری طرف ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خبریں حیرت انگیز سرعت کے ساتھ صوبہ جات میں پہنچ رہی تھیں۔ عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح والی مصر کو علم تھا کہ مصری حضرت عثمان کے خلاف غم و غصہ کے جذبات لئے ہوئے گئے ہیں۔ اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ انھوں نے امیر معاویہ کو اس امر کی اطلاع بھی دیدی تھی۔ اسی طرح انھوں نے حضرت عثمان کو بھی خط کے ذریعہ اس صورت حال سے مطلع کر دیا تھا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے بھی اہل کوفہ کو مدینہ کا رخ کرتے دیکھا تھا۔ وہ بھی عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح کی طرح جانے والوں کے مقصد و ارادہ سے آگاہ تھے۔ یہی صورت بصرہ میں عبد اللہ بن عامر کی تھی۔ پھر آخر کیا سبب ہے کہ اتنی خبر ہونے کے باوجود یہ عمال خلیفہ کی امداد پر سبر و استقامت تمام کر سکتے نہ ہو سکے۔ پھر ان عمال کو کیا ہو گیا تھا کہ وہ حضرت عثمان کی طرف سے امداد کے مطالبہ پر مشتمل خطوط ملنے کے بعد بھی تیزی سے مدینہ نہ پہنچے۔ آخر ان لوگوں نے کیوں اتنی دیر لگائی۔ اور تساہل برتا

کہ ان کی مدد پہنچنے سے قبل ہی شہر واقع ہو گیا اور امام قتل کر دیئے گئے۔ پھر ان سب اُمور سے بڑھ چڑھ کر یہ کہ عثمان نے اپنے عمال حکومت کو پابند کر رکھا تھا کہ وہ حج کے دنوں میں ان سے ضرور ملا کریں۔ آخر کیا سبب ہے کہ ان کے عمال اس سال اپنے اپنے صوبوں میں رہے اور حج پر نہ گئے یہاں تک کہ حضرت عثمان نے مضمور ہونے کی وجہ سے مجبوراً حضرت عبداللہ بن عباس کو حج کی قیادت پر مقرر کیا۔ ان سب سے بھی زیادہ حیرت انگیز و تعجب خیز بات یہ ہے کہ مورخین کے بیان کے مطابق ابن عباس حضرت عثمان کی طرف سے حاجیوں کے نام ایک چٹھی لے گئے جس میں انھوں نے اپنا قضیہ پیش کیا اور اپنا بے قصور ہونا ثابت کیا تھا۔ مورخین کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے یہ چٹھی حج کے موقع پر لوگوں کو پڑھ کر سنائی۔ یہ خط جس کا مکمل متن طبری نے بیان کیا ہے۔ کس طرح لوگوں نے سن لیا اور ان کے کانوں پر جوں تک نہ رہی؟ سب اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے اور کوئی بھی خلیفہ کی مدد پر کمر بستہ نہ ہوا؟ اور کوئی گروہ بھی مدینہ کے حادثات کا مشاہدہ کرنے کے لئے وہاں نہ پہنچا؟ یہ کیسے ہو گیا کہ حضرت عثمان کا عامل مکہ خاموشی بے حسی اور اطمینان سے اس خط کو پی گیا اور اس نے لوگوں کو خلیفہ کی امداد پر برا نگینتہ نہ کیا؟ اگر وہ اہل مکہ کو ہی ہوش دلا کر بھیجتا اور وہاں کے صحرا نشینوں کا ایک لشکر جمع کر لیتا تو یقیناً یہ فوج باغیوں کو اس وقت تک مشغول کئے رکھتی جب تک کہ صوبہ جات سے باقاعدہ فوجی کمک پہنچ جاتی۔ کیا سبب ہے کہ ان میں کوئی بھی بات نہ ہوئی؟ کیا وجہ ہے کہ کسی عامل نے بھی حرکت نہ کی؟ کیا سبب ہے کہ حاجی بھی خلیفہ کی امداد پر آمادہ نہ ہوئے؟ کیا اس کے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ تمام اُمت

نے متفقہ طور پر اس خلیفہ کا ساتھ چھوڑ دیا تھا؛ رعیت تھک گئی تھی۔  
 عمال اپنے دلوں میں کچھ اغراض چھپانے کی وجہ سے کاہلی اور سستی کر رہے  
 تھے۔ ان میں سے ہر ایک کو اپنی پڑی ہوئی تھی اور انھوں نے خلیفہ کو  
 مدینہ والوں کے سپرد کر دیا تھا کہ وہ جو کچھ ان کے ساتھ کرنا چاہیں کریں۔  
 یا حضرت عثمان جو کچھ ان کے ساتھ کر سکیں کر لیں۔

آپ دیکھ چکے ہیں کہ خود اہل مدینہ کی اکثریت باغیوں کے ساتھ  
 شامل تھی۔ مدینہ میں صحابہ کرام کی ایک مختصر جماعت ایسی بھی تھی جس نے  
 عملاً تو حضرت عثمان کا ساتھ چھوڑ رکھا تھا لیکن زبانی وہ اس صورت حال  
 پر اپنے غم و غصہ کا اظہار کرتی تھی۔ اگر اصحاب رسول کی یہ جماعت ہی باغیوں  
 کے مقابلہ میں کھڑی ہو جاتی اور ان کی اُمیدیں خاک میں ملا دیتی تو یہ باغی  
 لوگ بے نیل و مرام واپس ہو جاتے جیسی کہ بعض قدیم مورخین کی رائے  
 ہے۔ ان چیزوں کے پیش نظر حضرت عثمان کا وہ قول صحیح معلوم ہوتا ہے  
 کہ "لوگ میری درازی عمر کو لامتناہی سمجھ کر مجھ سے دل برداشتہ ہو گئے  
 ہیں۔ مگر غالباً لوگوں کے لئے صرف ان کی درازی عمر ہی ایک اکتا دینے  
 والا مسئلہ نہ تھا، بلکہ وہ سیاست کے اس لامتناہی سلسلہ سے دل برداشتہ  
 ہو گئے تھے جو انھیں عہد فاروقی کی سیاست سے مختلف معلوم ہو رہی تھی  
 اور جو ان کی دیکھی بھالی قیصر و کسری کی ملکیت سے بھی الگ کوئی سیاست  
 نظر آتی تھی۔ انھیں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ان دونوں سیاستوں کے  
 بین بین کوئی سیاست ہے۔"

(الفتنۃ الکبریٰ از جلد اول ص ۲۸۶ تا ۲۸۹)

ڈاکٹر طہ احسین کے مذکورہ تحقیق تبصرہ سے یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے



کہ اہل اسلام حضرت عثمان کی سیاست سے نالاں تھے اور خود ان کے عمال و عمائدین سلطنت بھی ان کے قتل کو گوارا کئے ہوئے تھے۔ چنانچہ ان تمام لوگوں کا مقصد پورا ہوا اور حضرت عثمان قتل کر دیئے گئے۔ اور اس عبرتناک حادثہ کے بعد فتنوں کے دروازے پاٹوں پاٹ کھل گئے۔ حرص ملک ریاست اور ہوس بے جا نے فسادات کا ایک لاقناہی سلسلہ قائم کر دیا، اور بقول علامہ آزاد مرحوم بعد میں ہونے والے محاربات حمل و صفین کا پس منظر یہی فتنہ کبریٰ تھا، بلکہ جنگ کربلا میں بھی جو کچھ ہوا وہ قتل عثمان کا ہی رد عمل تھا۔

(رسالہ نبی اور یاران نبی کے آخری لمحات ص ۳۱)

اب یہاں پہنچ کر تاریخ کا ادنیٰ طالب علم بھی نتیجہ نکال سکتا ہے کہ مورخین کی بیانات ابن سبار کے متعلق اگر تسلیم کر لئے جائیں کہ حضرت عثمان کی مخالفت اور ان کے سنسنی خیز قتل کے علل و اسباب عبداللہ بن سبا ہی کے اقدامات تھے تو بجائے اس کے کہ جس غرض کے لئے یہ افسانہ تراشا گیا ہے وہ پوری ہو خود ان افسانہ نگاروں ہی کی کا کلاںِ راد میں بل پڑتے نظر آتے ہیں۔ اور صحابیت کے متعلق جو حسن ظن ہے وہ ختم ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ کیونکہ مورخین کے عائد کردہ الزامات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس نو مسلم یہودی نے نفاق کا لباس اوڑھ کر اسلامی مشیروں میں آگ لگا دی۔ اور اپنی شعلہ بارہ تقریروں سے علاوہ ابوذر اور عمارؓ یا سر کے طلحہ و زبیر عبدالرحمن ابن عوفؓ و دیگر اجلہ صحابہ کرام اور خاص کر ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کو بھی اپنے جھانسنے میں لے لیا اور سب کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ اسلامی مملکت کے سربراہ کو قتل کر دیں اور اس یہودی کے دام فریب میں آکر اسلامی تعلیمات سے انحراف کر بیٹھیں۔ ان سب باتوں کو سامنے رکھ کر ہم تو اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ابن سبا کا کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ جس کا جی چاہے ان خلاف عقل و نقل الزامات کو تسلیم کرے مگر ہم تو صدرِ اول کے مسلمانوں کو اس سے کہیں بلند و بالا خیال کرتے ہیں کہ ایک نو مسلم یہودی ان واحد میں مسلمانوں کے دین کو

غارت کرنے اور ان کے جذبات کو آلہ کار بنا کر اپنی اسلام دشمنی کے جذبات کو تسکین دے۔

حقیقت میں یہ تمام باتیں ایسی ہیں جو عقل کی کسوٹی پر ثابت نہیں ہوتیں اور نہ تنقید کی تاب لاسکتی ہیں۔ لہذا ان باتوں پر تاریخی امور کی بنیاد استوار کرنا درست نہیں بلکہ یہ مناقشات اور اس دور کے مسلمانوں کے باہمی اختلافات ان کی افتادِ طبع اور قلبی رجحانات کا ہی نتیجہ ہیں۔ ابن سبأ وغیرہ کا ان سے کوئی تعلق نہیں جس عقیدت کی بنیاد پر ان امور کو خواہ خطائے اجتہادی سے تعبیر کیا جائے یا کسی اور شرعی اصطلاح سے ان کو یاد کر لیا جائے۔ اس سلسلہ میں نقاد مورخ طہ حسین فرماتے ہیں:-

”در اصل واضح بات جس میں کسی شک شبہ کی گنجائش نہیں ہے

کہ اس دور کی اسلامی زندگی کے حالات طبعی طور پر اختلاف آراء و افتراق

اہوا اور گونا گوں سیاسی مذاہب کے ظہور کی طرف مائل تھے، ایک طرف

تو وہ لوگ تھے جو قرآن و سنت نبوی اور سیرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما

سے وابستہ تھے اور وہ ایسے نئے امور وقوع پذیر ہوتے دیکھ رہے تھے

جن سے ان کا سابقہ نہیں پڑا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ ان حالات کا اس طرح

حزم و احتیاط۔ قوت و شدت۔ بے غرضی اور خوش انتظامی کے ساتھ مقابلہ

کیا جائے جس طرح حضرت عمر کیا کرتے تھے۔ دوسری طرف قریش اور عرب

قبائل کے نوجوان تھے جو نئی صورت حال سے نئے جذبات کے ساتھ دوچار

ہو رہے تھے۔ ایسے جذبات جن میں طمع۔ مراتب عالیہ کا حصول۔ خود غرضی

و خود پرستی، خوش رنگ امیدیں۔ کسی حد پر نہ ٹھہرنے والی خواہشیں ملی جلی

تھیں۔ ان سب باتوں کی وجہ سے ان جذبات میں رشک رقابت اور

ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی تمنا بھی شامل تھی۔ یہ باہمی مقابلہ محض

بلند مناصب کے حصول ہی کے لئے نہیں تھا بلکہ ماحول کی ہر شے کو حاصل کرنے کے لئے موجود تھا۔ یہ نئی صورت حال فی نفسہ اس قابل تھی کہ برناؤ پیر کو اس ڈھڑے پر لگا دے جس کی جانب وہ چل پڑے تھے۔ ذرا غور کیجئے کہ وسیع علاقے فتح ہو رہے تھے، ان علاقوں سے بے حساب دولت خراج کی شکل میں ان کے پاس وصول ہو کر پہنچ رہی تھی اس صورت حال کے پیش نظر اگر ان علاقوں میں نظم حکومت چلانے اور اس جمع شدہ مال سے مستفید ہونے کی غرض سے لوگ باہم رشک رقابت کے جذبات میں مبتلا تھے تو اس میں تعجب کی کوئی بات ہے؟ پھر دوسری طرف وہ ممالک بھی تھے جو ابھی فتح نہیں ہوئے تھے، اور صورت حال اس امر کا تقاضہ کر رہی تھی کہ مسلمان انھیں بھی دوسرے علاقوں کی طرح زیر نگیں کر لیں۔ تو پھر وہ لوگ فتح کے ضمن میں کیوں ایک دوسرے سے سبقت لیجانے کی کوشش نہ کریں۔ ان میں جو لوگ طالب دنیا تھے وہ کیوں فاتحین کی مجد و عزت اور مالِ غنیمت کے باسے میں رقیبانہ رویہ اختیار نہ کرتے؟ جو طالبِ آخرت تھے وہ کیوں جبر و ثوابِ آخرت کے طلب گار نہ ہوتے؟ لہذا اگر طامع و بلند نگاہ نوجوانانِ قریش ان لوگوں سے داخل ہو کر جو ان کے سامنے کھلی تھیں عظمت، تسلط اور ثروت حاصل کرنا چاہتے تھے تو یہ کون سے اچھے کی بات ہے۔ اسی طرح اگر انصار اور دوسرے عرب قبائل کے نوجوانوں میں مقابلہ و مسابقت کی روح بیدار ہو رہی تھی تو اس میں کوئی انوکھی بات تھی؟ اور پھر جب یہ دیکھ کر کہ خلیفہ اسلام ان کے اس جذبہ مسابقت میں حائل ہو رہے ہیں یا وہ اہم معاملات میں قریش کو اور اس سے زیادہ عظیم اہمیت امور میں

صرف بنو امیہ کو ترجیح دے رہے ہیں۔ ان کے دلوں میں دردِ محرومی اور غیرت و غضب کی آگ بھڑکے تو اس میں کونسا عجوبہ ہے؟ بلاشک حضرت عثمان نے حضرت سعد کو وفہ سے معزول کر کے ان کی جگہ ولید اور سعید کو والی مقرر کیا، ابو موسیٰ کو بصرہ سے معزول کر کے عبداللہ بن عامر کو ان کا جانشین مقرر کیا۔ تمام ملک شام متحد کر کے اور امیر معاویہ کے سپرد کر کے ان کے تسلط کی حتی الامکان توسیع کی۔ حالانکہ قبل ازیں شام کئی صوبوں میں منقسم تھا۔ اور اس کی حکومت میں قریش کے ساتھ دوسرے عرب قبائل بھی شریک تھے۔ اس طرح حضرت عثمان نے مصر سے عمر بن العاص کو معزول کر کے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کا تقرر کیا، اور یہ سب والی حضرت عثمان کے اقربا ہی سے تھے، کوئی ماں کی طرف سے بھائی تھے اور کوئی رضاعی بھائی، کوئی ماموں تھے اور کوئی بنو عبدالشمس سے نسبتِ قریبہ رکھنے کی وجہ سے ان کے ہم نسب تھے یہ سب وہ حقائق ہیں جن سے مجال انکار نہیں ہے۔

یہ بھی ہم جانتے ہیں کہ حضرت عثمان نے جن لوگوں کو مقرر یا معزول کیا تھا ابن سبار کے ایما سے نہیں کیا تھا۔ سیدھی سی بات ہے کہ جب بھی شاہوں، قیصروں، والیوں اور امراء نے امورِ حکومت میں اپنے اقربا کو ترجیح دی ہے۔ لوگوں نے اسے ہمیشہ ناپسند کیا ہے۔ اس اعتبار سے حضرت عثمان کی مسلم رعایا نے عامۃ الناس سے ہٹ کر کوئی انوکھی بات نہ کی تھی۔ چنانچہ انھوں نے بھی ہر زمانہ کے عام انسانوں کی طرح بعض معاملات کو ناپسند کیا اور بعض کو تسلیم کیا۔

## حضرت علیؑ اور انعقادِ خلافت

حضرت عثمان کے قتل اور ابن سبأ کے معاملہ میں جہاں دیگر گونا گوں الزام تراشی گئے، وہاں ابو ذرؓ، عمارؓ یا سہر اسیے پاکباز صحابہ کے علاوہ برادرِ رسولؐ اور اسلام کے لبطل جلیل جناب امیر المؤمنین علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام کو بھی معاف نہیں کیا گیا۔ ابن سبأ کے قصہ کو ہوا دینے والے گروہ نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان کے قتل ہو جانے کے بعد تختِ خلافت پر حضرت علیؑ علیہ السلام کو متمکن کرنے والے یہی ابن سبأ اور اس کے ساتھی سبائین ہی تھے۔ گویا اکابر صحابہ مہاجرین و انصار نے بیعتِ خلافت میں حصہ نہیں لیا بلکہ انھوں نے تقاعد اختیار کیا اور ابن سبأ کی منظم پارٹی (جس کے ممتاز نمائندے - عمارؓ یا سہر - مالکؓ اشترؓ حنظل بن عدی - صعصعہ بن صوحان اور عمرو بن الحمق وغیرہ پاکباز مؤمنین تھے) سیاستِ وقت پر اثر انداز رہی اس اجمال کی تفصیل وہ ناکاہتاً مصنفین و مورخین اس طرح بیان کرتے ہیں کہ حضرت امیر علیہ السلام ہرگز یہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ سلطنتِ اسلامیہ کی باگ ڈور ہاتھ میں لیں مگر اس شرانگیز پارٹی نے حضرت علیؑ کو مجبور کیا کہ وہ بیعتِ خلافت حاصل کر لیں بصورتِ دیگر انھیں بھی حضرت عثمان کی طرح قتل کر دیا جائے گا۔

جس شخص نے دینی بصیرت اور اسلامی جذبات کے ماتحت اعلانِ نبوت سے لیکر وفاتِ رسولؐ تک تاریخِ اسلام اور اقوالِ رسولؐ کا مطالعہ کیا ہے وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ حضرت علیؑ علیہ السلام کی دینی پوزیشن ان کا علم و عمل، عزم و استقلال، حلم و شجاعت، غرضیکہ ان کا جامع کردار ان باتوں سے بہت بلند ہے کہ وہ نہایت سادہ لوحی کے ساتھ ایک یہودی کے کہنے اور اس کی پارٹی کے درغلانے یا دھمکانے پر ایک ایسے مقام پر بیٹھنے کا ارادہ کریں۔ جس کے لئے اربابِ حل و عقد اور مہاجرین

وانصار ان کے خلاف ہوں اور وہ نہ چاہتے ہوں اور زبردستی خلیفہ بن بیٹھیں۔  
 شیعہ نقطہ نظر اور اس کے مکتب خیال کے اعتبار سے حضرت علی علیہ السلام دیگر  
 اوصیاء کی طرح وصی رسول منصوص من اللہ و الرسول خلیفہ تھے۔ ان کی خلافت امامت  
 کسی کے بیعت کر لینے کی محتاج نہ تھی کیونکہ منصب خداوندی کے عہدہ دار ہر اعتبار سے  
 اس منصب جلیلہ پر فائز رہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں قتدار شرط نہیں بلکہ خلیفہ رسول  
 کے لئے ابقاء شریعت کا ضامن اور حفاظت دین و اسلام کا کفیل ہونا ضروری ہے۔  
 اس سلسلہ میں شیعہ مسلک کی ترجمانی ہم سابقہ اوراق میں پیش کر چکے ہیں۔ اس مقام پر  
 ہم اس بات کو واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ حضرت عثمان کے ناگوار حادثہ قتل کے بعد حضرت  
 علی علیہ السلام کو مہاجرین و انصار اور امت اسلام کی اکثریت نے خلیفہ بنا یا تھا۔ اور  
 جمہور اسلام کا یہی عقیدہ آج تک چلا آیا ہے۔ ذیل میں چند ایک کارین ملت کے خیال  
 کو ہم تائید کے طور پر پیش کرتے ہیں :-

علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :-

”حضرت علیؑ کی بیعت عثمان کے قتل ہونے کے فوراً بعد ہی اوائل

ذی الحج میں واقع ہوئی۔ آپ کی بیعت تمام مہاجرین و انصار اور ہر اس  
 شخص نے کی جو مدینہ میں اس وقت موجود تھا، اور آپ کی بیعت کی  
 اطلاع تمام اسلامی ممالک میں ہو گئی۔ ہر مقام کے مسلمانوں نے  
 آپ کی اطاعت سوائے معاویہ بن ابوسفیان کے بطیب خاطر قبول کی۔“

(فتح الباری جلد ۷ ص ۵۷۶)

شیخ شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے فرزند محدث جلیل شاہ عبدالعزیز صاحب تحفہ  
 اثنا عشریہ فرماتے ہیں :-

”قتل عثمان کے بعد حضرت علیؑ کی بیعت کرنے والے مخلص صحابہ

اور ہاجرین انصار تھے ان کا مذہب یہ تھا کہ حضرت امیر علیہ السلام عثمان کی موت کے بعد امام حق ہیں اور آنجناب کی اطاعت تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ خلافت مرفی تمام اہل حل و عقد ہاجرین انصار اور طلحہ و زبیر کے اتفاق سے منعقد ہوئی۔ طلحہ و زبیر کا بعد میں خروج کرنا انکار کے سبب سے نہیں تھا بلکہ وہ خلافت کو تو تسلیم کر چکے تھے، البتہ خون عثمان کا مطالبہ وہ ضرور کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں صاحب استیعاب نے لکھا ہے "بویح لعلی علیہ السلام بالخلافة یوم قتل عثمان واجمع علی بیعت المهاجرون والانصار" (حضرت علی علیہ السلام کی بیعت قتل عثمان کے روز ہی ہاجرین و انصار کے اتفاق سے ہوئی)۔

[قرۃ العینین ص ۱۹۲ و تحفۃ اثنا عشریہ ص ۱۸]

عصر حاضر کے مشہور مؤرخ ڈاکٹر طلحہ حسین جنہیں غیر معمولی تاریخی بصیرت حاصل ہے وہ بھی انعقاد خلافت علویہ پر اسی رنگ میں اپنا موقف ظاہر کرتے ہیں:-  
 "ہاجرین و انصار نے دیکھا کہ اب بغیر خلافت کا مسئلہ طے کئے چھٹکارا نہیں۔ ان میں سے ہر شخص نے اپنی جگہ پر سوچا پرکھا اور صحابہ سے بھی جن سے ملاقات ہو سکی صلاح و مشورہ لیا۔ پتہ چلا کہ وہ سب حضرت علیؑ کی طرف مائل ہیں" (علی و نبوہ ص ۹)

پھر آگے چل کر ایک مقام پر لکھتے ہیں:-

"تمام ہاجرین و انصار کے علاوہ طلحہ و زبیر نے بھی بخوشی بیعت کر لی تھی، اور ان دونوں کو مجبور نہیں کیا گیا۔ جیسا کہ ان دونوں نے بعد میں دعویٰ کیا اور جیسا کہ بہت سے راویان حدیث بیان بھی کرتے ہیں۔ پھر جب انھوں نے دیکھا کہ خلیفہ (علیؑ) ہماری امیدوں کو خاک میں ملا رہے ہیں تو

ان کی رائے بدل گئی۔ (الفتنہ الکبریٰ جلد دوم ص ۲۱)

اب جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کی بیعت کرنے والے شریک و شریکین تھے وہ اپنے اور پر بھی ظلم کرتے ہیں اور مہاجرین و انصار پر بھی۔ اپنے اور پر تو اس لئے کہ انھوں نے جمہور اسلام کے خلاف اور مسلک اعتدال سے ہٹی ہوئی راہ اختیار کی ہے اور مہاجرین و انصار پر اس لئے کہ ان قرآن و حدیث کے بلا واسطہ مخاطبین پر سب سے شریک تھے اور فتنہ انگیزی کا الزام عائد کر دیا، اور واٹنگاف الفاظ میں یہ لکھ دیا کہ عمار یا کر مالک شتر، محمد بن ابی حذیفہ، حجر بن عدی، محمد بن ابی بکر، صعصعہ بن صوحان اور عمرو بن العاص وغیرہ اصحاب رسول و اصحاب امیر المؤمنین سبائیت کے لباس میں ملبوس تھے۔ یہیں تعجب ہوتا ہے کہ جب علم و تحقیق کے علمبردار انتہائی تعصب کے ساتھ صحیح تاریخ نویسی کی روش سے ہٹ کر سرے سے واقعات پر ہی پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں اور محض اپنے ذہنی رجحان کو ہی سامنے رکھ کر فیصلہ صادر کرتے ہوئے کسی کو فتنہ پرور لکھ ڈالتے ہیں تو انھیں کیوں خوفِ خدا دامنگیر نہیں ہوتا؟

ذیل کی سطور میں ہم کتب رجال اور تاریخ سے مذکورہ بالا اصحاب رسول اتباع امیر المؤمنین کا قدرے تعارف کرا کے یہ ثابت کئے دیتے ہیں کہ یہ مقدس مؤمنین اعلیٰ کردار اور بلند عظمت کے مالک تھے، اور ان کو محض اس لئے نشانہ بنا یا جاتا ہے کہ یہ لوگ حضرت امیر المؤمنین کے دست و بازو اور آنحضرت کی دینی و سیاسی پوزیشن میں ان کے متبع اور ہم خیال تھے۔

حضرت عمار یا سر ڈاکٹر طہ حسین فتنہ و فساد کے ایام میں حضرت عمار یا سر حضرت عمار یا سر کی دینی و سیاسی پوزیشن، ان کے کردار اور اعلیٰ شخصیت پر تبصرہ فرماتے ہوئے اپنی ایک دوسری تصنیف "الوعدا الحق" میں رقمطراز ہیں:-

"فتنہ بیا ہونے کے بعد اہل مدینہ میں کسی نے حضرت عثمان کی اقتدار



سختی سے مخالفت نہیں کی جتنی کہ حضرت عمارؓ یا سر نے کی وہ جیسا کہ نبیؐ نے فرمایا تھا کہ ”صحیح فطرت پر قائم تھے“ ہر قسم کی تاویل اور قیاس آرائی کو ناپسند کرتے تھے اور تاویل کرنے والوں سے بھی سخت نفرت کرتے۔

قول ان کو وہ پسند تھا جو کھرا اور بے لاگ ہو، عمل وہ جو واضح اور بین ہو، سیرت و کردار وہ جو ہر قسم کی کج روی اور الجھاؤ سے پاک اور راستی پر قائم ہو۔ یہ حقیقت ہے کہ دینِ خالص ان کی فطرت میں داخل تھا۔ اور دیندار کی ان کی طبیعت کا خمیر تھی۔ وہ دنیا کے معاملہ میں سب سے زیادہ زہد شعا اور حصولِ منافع کی فکر سے قطعاً بے نیاز تھے۔ فتنہ و فساد سے بے حد خائف اور سیاسی جوڑ توڑ اور اس کی الجھنوں سے بالکل کنارہ کش رہتے۔ حق بات کو پسند کرتے اور اسی کیلئے سعی و کوشش کرتے۔ انہوں نے نبیؐ کی پاک سیرت اور شیخین کی زندگی میں استقلال دیکھا تھا جس میں کسی قسم کی کجی نہ تھی۔ ان کی پالیسی بالکل واضح اور ہر قسم کے الجھاؤ سے پاک تھی۔ لہذا وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ حاکم کی ہمیشہ ایک متعین اور واضح پالیسی ہونی چاہیے جیسا کہ نبیؐ اور آپ کے دونوں جانشینوں کی تھی۔ لیکن جب سے حضرت عثمان کے زمانہ میں انہوں نے ملکی معاملات میں بے انتظامی بے ترتیبی اور الجھاؤ دیکھا۔ لوگوں میں نفع اندوزی اور حصولِ زر کی آگ پھیلتی دیکھی اور جذبات و خیالات کا انتشار نظر آیا تو یہ ان پر بہت گراں گزرا۔ ان کا دل اسے ایک لمحہ کے لئے بھی گوارا نہ کر سکا۔ اور ان کی سادہ فطرت اس صورتِ حال سے مطمئن نہ ہو سکی۔ اس کی وجہ سے عجیب عجیب خیالات ان کے دل میں پیدا ہونے لگے۔ مگر انہوں نے طویل خاموشی اختیار کر کے ان معاملات سے کنارہ کش رہنا چاہا۔ خدا سے پناہ بھی مانگی

کہ وہ اس فتنہ و فساد سے محفوظ رکھے۔ لیکن وہ لوگوں سے ملے اور انکی باتیں سنیں تو معلوم ہوا کہ وہ بھی ان باتوں کو سخت ناپسند کرتے ہیں۔ پھر تو عمارؓ اس معاملہ پر بہت سنجیدگی سے غور کرنے لگے۔ صورتِ حال کا جائزہ لیا تو اس نتیجہ پر پہنچے کہ ان باتوں کی مخالفت کرنی چاہیے۔ لیکن پھر بھی انھوں نے کافی عرصہ خاموشی اختیار کئے رکھی اور فتنہ و فساد سے پناہ مانگتے رہے مگر جب انھوں نے دیکھا کہ رسول اللہ کے بزرگ و معمر اصحاب خصوصاً مہاجرین بھی ان چیزوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں تو اپنی صحیح رائے کا انھیں یقین ہو گیا۔ ایک روز مدینہ میں چرچا ہوا کہ حضرت عثمان نے بیت المال سے کچھ جواہر لے لئے ہیں اور ان سے اپنی بیوی کا زیور بنوایا ہے۔ انصار و مہاجرین نے اس پر خوب باتیں بنائیں۔ اس کی خبر حضرت عثمان کو ہوئی تو ایک روز منبر پر چڑھ کر کہنے لگے۔

”ہمیں جو ضرورت ہوگی بیت المال سے لے لیں گے خواہ لوگ

کتنے ہی مخالف ہوں۔“ حضرت علیؓ نے کہا کہ ”پھر تو تمہیں اس سے روکا جائیگا“ حضرت عمارؓ بولے ”خدا کی قسم میں پہلا مخالف ہونگا جو تمہیں روکے گا“

حضرت عثمان حضرت علیؓ کی بات پر تو خاموش رہے لیکن حضرت عمارؓ کی گفتگو سے برا فروختہ ہو گئے۔ اور ان کو بہت برا بھلا کہا۔ اور جیسا کہ

بعض روایات میں آیا ہے کہ یہی اس فساد کی ابتداء ہے جس کا انجام اس صورت میں ظاہر ہوا کہ حضرت عثمان نے حضرت عمارؓ کو اس قدر مارا

کہ ان کا سر پھٹ گیا اور بے ہوش ہو گئے۔ ظہر عصر اور مغرب کی تین نمازیں بھی ان سے قضا ہو گئیں لیکن پھر جب افاقہ ہوا اور ہوش میں آئے تو وضو

کیا اور تینوں نمازیں اکٹھی پڑھیں۔ اور ان آزار و تکالیف کا ذکر کیا جو اسلام

لانے کے بعد کفار قریش سے انھیں پہنچی تھیں۔ اس روز سے انھوں نے خاموشی ترک کی اور اٹھتے بیٹھتے ہر جگہ حضرت عثمان پر تنقیدیں کرنے لگے بالآخر حضرت عثمان سے انتقام لینے والے باغی گروہ جب تمام صوبوں سے اکٹھے ہو کر مدینہ آئے تو حضرت عثمان نے ان سے کوئی اظہارِ نفرت نہ کیا اور نہ انھیں واپس کرنے کی کوشش کی پھر حضرت عثمان قتل ہو گئے تو ان کے قتل پر بھی انھیں کوئی افسوس نہ ہوا، بلکہ بعض اوقات تو وہ اس بات پر جھگڑتے تھے کہ حضرت عثمان حالتِ ایمان میں قتل ہوئے یا حالتِ

کفر میں۔ (الوصد الحق اردو ص ۳۲۹ مطبوعہ کراچی)

یہ تھا وہ مسلک و موقف حضرت عثمان کا جو انھوں نے فتنہ و فساد کے زمانہ میں اختیار کیا تھا۔ فاضل مورخ نے صحابی رسول کا جو کردار پیش کیا ہے۔ واقعی اس قابل ہے کہ اسے آبِ زر سے لکھا جائے۔ اس حقیقت گشا بیان سے ظاہر ہے کہ حضرت عثمان یا مثل ان کے دوسرے جلیل القدر صحابہ جو حضرت عثمان سے خوش نہ تھے۔ ان کا سبائیت سے دور کا بھی لگاؤ نہیں تھا۔ انھوں نے از خود کبھی بھی سازشوں اور خفیہ سکیموں میں حصہ نہیں لیا۔ بلکہ وہ حکومتِ وقت کے ساتھ اس حد تک معااونہ جس حد تک کہ ایک وفادار شہری کسی حکومت کا ساتھ دے سکتا ہے۔ انھوں نے اپنی زبانوں کو اسی وقت کھولا جبکہ پانی سر سے اونچا ہو گیا اور ان پر ظلم و ستم ڈھائے جانے لگے۔ ان کا حضرت عثمان اور ان کے ہم خیال سیاسی گروہ کی مخالفت کرنا اور حضرت امیر علیہ السلام کا ساتھ دینا ان کے اپنے علم و یقین اور مذہبی مسلک کے مطابق تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عثمان و وفاتِ رسول سے ہی مسلکِ اہل بیت پر گامزن تھے اور آخری سال تک اپنے آقا کی معیت میں باغیوں کے مقابلہ میں جامِ شہادت نوش کیا۔ کتب صحاح مسانید اور سیر و تواریخ میں مخبر صادق کی ایک پیشین گوئی ملتی

ہے، جس سے حضرت اہل کی دینی عظمت اور ان کے مخالفین کی ضلالت و گمراہی کا علم ہوتا ہے۔ جناب پیغمبر اسلام فرماتے ہیں: "اے عمار! تجھے ایک باغی گروہ قتل کر گیا تو تو انھیں جنت کی دعوت دیکھا مگر وہ تجھے جہنم کی طرف بلائیں گے۔"

(صحیح بخاری جلد ۶ ص ۶ طبع مصر)

پیغمبر اسلام کی یہ پیشین گوئی صدفین میں پوری ہوئی اور متکلمین اسلام کے نزدیک یہ خبر غیب و لائیکل نبوت میں سے ایک ہے۔ اب جس کا جی چاہے ایسے مبشر بالجنۃ انسان کو شراٹنگیز یافتہ بار بار دوسرے الفاظ میں سبائی کہہ لے۔ ہم تو ایسی باتوں کو درخور اعتناء خیال نہیں کرتے۔

**مالک شتر کا کردار** مالک شتر پیغمبر اسلام کی صحبت سے شرف یافتہ جلیل القدر انسان تھے۔ اور یہ ایسے مقدس و دیندار بزرگ ہیں کہ

جس نے بھی آپ کا ذکر کیا خیر و خوبی کے ساتھ ہی کیا۔ آپ کے علوم مرتبت اور جلالت قدر کے تعارف کے لئے حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام کا مخلص جانتا ہونا ہی کافی ہے۔ جناب امیر المؤمنین کی مدح و ثناء میں ڈوبی ہوئی نظمیں جو اشتراکی زندگی اور ان کے مرنے کے بعد ان کی عظمت کے متعلق فرمائی گئیں بطور سند پیش کی جاسکتی ہیں۔ ہج البلاغہ کے اوراق سامنے ہیں ہر شخص دیکھ سکتا ہے۔ حضرت امیر المؤمنین فرمایا کرتے تھے۔

"س حمد اللہ مالکاً فلقد کان لی کما کنت لرسول اللہ"

(خداوند عالم مالک پر رحم فرمائے وہ میرے لئے ایسے ہی تھے جیسا کہ

میں خود رسول اللہ کے لئے تھا۔) (شرح ابن ابی الحدید جلد ۳ ص ۲۱۶)

ایسے پاکباز انسان کے متعلق بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ قتل عثمان میں پیش پیش تھے اور بلوائیوں کی کمان انہی کے ہاتھ میں تھی۔ دوسرے الفاظ میں

سبائی گروہ کے لیڈر اور ان کے سرغنہ تھے۔ جہاں تک مخالفت عثمان اور قتل کے واقعات کا تعلق ہے تاریخی معلومات کے اعتبار سے ہم نہیں کہہ سکتے کہ ان کا حصہ ان واقعات میں نہ ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ دیگر بہاجرین و انصار کی طرح یہ بھی ارباب اقتدار کے کھلم کھلے مظالم کے شاکی ہوں اور شرعی جواز کے ہوتے ہوئے قتل کر نیوالوں کے ساتھ شریک ہو گئے ہوں۔ مگر خفیہ سازشوں اور حیلہ ساز یوں میں ان کا شامل ہونا ان کے بلند کردار کے منافی تھا۔ کیونکہ حضرت امیر المؤمنینؓ کی صحبت نے اس پاکباز انسان کو بے مثل بنا دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ کمال عقل و شجاعت و بزرگی و فضائل سے متصف ہونے کے علاوہ زیورِ حلم۔ زہد۔ فقر اور دُور اندیشی سے بھی آراستہ تھے۔ یہی واسطے جب ان کی شہادت کی خبر امیر المؤمنینؓ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا: "خدا مالک پر رحم کرے ان کی جدائی میرے لئے بہت شاق ہے۔ اور ان کی موت نے میری کمر کو توڑ ڈالا ہے۔"

مصر کے نامور مورخ اور ادیب استاد عبدالفتاح عبدالقصور جن کی کتابوں سے ڈاکٹر طاہر حسین نے بھی استفادہ کیا ہے۔ مالک شترکی سیاسی پوزیشن اور ان پر وارد شدہ الزامات کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"حقیقت یہ ہے کہ مالک شتر متقی پر ہیزگار۔ امین و دیانتدار انسان تھے اور حضرت عثمان کی مخالفت سے محض خدا کی خوشنودی جھڑپ عثمان کی بھلائی اور مسلمانوں کی بہبود تھی اور ان کے کردار اور سیرت کے شایاں بھی تھا اور امیر المؤمنینؓ نے جو ان پر اتنا گہرا اعتماد کیا وہ بھی ان کی بلند کرداری اور پاکیزگی سیرت کی وجہ سے تھا۔ وہ حضرت علیؓ کی فراست۔ لوگوں کے نفسیات و طبائع کو بہت اچھی طرح سمجھتے تھے۔ علیؓ جو محمد مصطفیٰ کے مقرب بارگاہ اور سب سے بڑھ کر ان کے چہیتے تھے۔ اور

محمد مصطفیٰ کے بعد فضائل و عادات کے لحاظ سے سب سے بڑھ کر پاک و پاکیزہ اور طاہر و مطہر تھے۔ کیا ان کے متعلق کسی کو گمان بھی ہو سکتا کہ وہ ایک غدار شخص کو اپنا مقرب بارگاہ بنائیں اور سب سے بڑھ کر اپنا مخلص سمجھیں۔ مالک کی شہادت (جو امیر شام کے ہاتھوں ہوئی) کی خبر سن کر علیؑ نے کہا تھا "کان الا شتر لی كما كنت لرسول الله" اصل بات

یہ ہے کہ جتنی روایتیں مالک اشتر کے وامن کو داغدار بناتی ہیں۔ وہ سب وہم کی پیداوار ہیں یا پھر ایسے عقل کی اختراع ہیں جو افتراء و بہتان کی لڑوہ اور سپید جھوٹ کی عادی ہیں۔ اور ان تمام روایتوں کی عرض و غایت محض یہ ہے کہ اشتر کی جو قدر و قیمت اور منزلت تھی وہ گھٹ جائے اور بنو امیہ کی فطرت و طبیعت سے یہ چیز کوئی بعید بھی نہیں۔

(الامام علی ابن ابی طالب جلد سوم بحوالہ اموی و خلافت جلد ۱۳۹)

جناب مالک اشتر کی دینی و سیاسی پوزیشن واقعی ہی ایسی تھی جیسا کہ اقتباس بالا میں استاد عبدالفتاح کے حقیقت افروز بیان سے ظاہر ہے۔ اگر ابن سبا وغیرہ کی کوئی سازش حکومت وقت کے خلاف تھی بھی تو اس میں اشتر کی شرکت سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ اس کا ثبوت خود مالک اشتر کا کردار اور علی ابن ابی طالب کی سیرت ہے۔ مالک اشتر بھی انہی اکابرین اسلام سے تھے جو حضرت عثمان کی بے توجہی اور ان کے مقرر کردہ گورنروں کے مظالم کے شاکی تھے جس طرح ہر شہر اور صوبہ کے باشندے اپنے یہاں کے گورنروں کی زیادتیوں پر ناراض تھے۔ اس طرح اشتر بھی اپنے شہر کے گورنر سعید ابن عاص کے مظالم سے تنگ تھے۔ جس طرح دیگر شہروں کے مسلمان فریاد لیکر دربار خلافت میں پہنچے اسی طرح یہ بھی۔ یہ اشتر ایسے انسان نہ تھے جن کا ظاہر کچھ ہو اور باطن کچھ۔ جو سازشی کارروائیوں کا ماہر ہو۔ یہ تو بہادر جوان مرد تھے جو دل میں ہوتا علانیہ کہہ دیتے۔ چاہے علانیہ

اظہار میں ان کو نقصان ہی کیوں نہ پہنچتا ہو، اور خلیفہ وقت اور ان کے حاشیہ نشینوں کے غیظ و غضب کا نشانہ ہی کیوں نہ بننا پڑے۔

مالک اشتر حکومت کے باغی نہیں تھے، انھوں نے کسی وقت بھی بے جا طور پر خلیفہ وقت کی اطاعت مشروطہ سے انحراف نہیں کیا۔ وہ اس حکومت کے اتنے ہی وفادار تھے جتنا کہ ایک دیندار انسان مہذب شہری ہونے کی حیثیت سے ہو سکتا ہے مگر جب مقرر کردہ شرائط خلافت یعنی کتاب اللہ۔ سنت رسول اور سیرت ابو بکر و عمر سے یکسر انحراف کیا جانے لگا تو مجبوراً اشتر نے بھی وہی کیا جیسا کہ دوسروں نے حضرت عثمان کی سیاست پر کھل کر تنقید اور اعتراضات کئے

دیکھئے جب حضرت عثمان نے مالک اشتر اور ان کے رفقاء کے نام ایک خط لکھا جس میں انھوں نے اطاعت و فرمانبرداری کی تلقین کی تھی اور خدا سے ڈراتے ہوئے لکھا تھا کہ تم ہی لوگوں نے افتراق و اختلاف کی ابتداء کی ہے۔ اس کے جواب میں مالک اشتر نے جو خط خلیفہ عثمان کو لکھا ذیل میں اس کا متن بلاذری کی سند سے پیش کیا جاتا ہے:-

” مالک حارث کی طرف سے بخدمت آزمائش میں پڑے ہوئے خطا

کار سنت رسول سے گریزاں اور حکم قرآنی کو پس پشت ڈال دینے والے

خلیفہ المسلمین۔ انا بعد ہم نے آپ کا خط پڑھا۔ آپ اپنے آپ کو

اور اپنے حکام کو ظلم و زیادتی سے باز رکھیں اور نیک سیرت افراد کی جلا وطنی

سے رک جائیں تو ہم آپ کے تابع فرمان بن جائیں گے۔ آپ نے کہا،

کہ ہم نے اپنے نفوس پر زیادتی کی ہے، یہ آپ کی وہ خوش خیالی ہے

جس نے آپ کو کہیں کا نہیں چھوڑا۔ اسی وجہ سے آپ کو جو عدل

اور باطل حق دکھائی دیتا ہے۔ اگر آپ ہماری محبت چاہتے ہیں تو وہ

اسی شکل میں ممکن ہے کہ آپ اپنے طرز عمل سے باز آئیں۔ تاہم ہمیں

اور آپ نے ہمارے جن نیک چلن افراد پر ظلم و زیادتی کی ہے اور تمہارے  
 جن نیک اشخاص کو بے گھر کر کے جلا وطن کیا ہے اس پر خدا کے سامنے  
 معافی کے طلبکار ہوں۔ ہم یہ کل کے لونڈوں کو حاکم نہ بنائیں۔ ہمارے  
 علاقہ کا انتظام حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت حذیفہ کے سپرد کریں  
 کہ ہم ان دونوں پر راضی ہیں۔ ہمیں اپنے ولیدہ سعید اور اپنے خاندان کے  
 دیگر محبوب نظر افراد سے بچائیے۔ آگے جو خدا کی مرضی۔ والسلام۔

(انساب الشراف بلاذری جلد ۵ صفحہ ۲۶ مطبوعہ قدس؛ الفتیۃ الکبریٰ جلد اول اردو صفحہ ۲۸)

اس کے بعد طلحہ حسین فرماتے ہیں :-

”آپ نے دیکھ لیا کہ اشتر نے حضرت عثمان کی اطاعت سے روگردانی

نہیں کی، نہ ان کی امامت سے انکار کیا۔ البتہ اس نے جو روٹم سنت سے

انحراف۔ احکام قرآنی سے اعراض اور مناصب حکومت پر فوخیوں کی

تقریری اور مسلمانوں کی جلا وطنی کا الزام لگا کر ان سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ

اس طرز عمل سے باز آجائیں۔ اور یہ استدعا کی ہے کہ ابو موسیٰ اشعری کو

والی صلاۃ و صرب اور حذیفہ بن یمان کو والی خراج مقرر کریں۔ اور بتایا

ہے کہ اگر یہ مطالبات مان لئے جائیں تو اہل کوفہ ان کی اطاعت کرتے

رہیں گے۔“ (عثمان ص ۲۸)

اس قدر اجلہ محقق مورخین کی واضح شہادتوں کے بعد یہ کہا جاسکتا ہے کہ مالک

اشتر سبائی گروہ کے سرغنہ اور فتنہ و فساد کے بانی تھے؟

صعصعہ بن صوحان عبدی بھی حضرت امیر المؤمنین

صعصعہ بن صوحان عبدی کے اصحاب میں خصوصی منزلت رکھتے تھے۔ یہ

فصح اللسان مقرر اور بڑے دیندار بزرگ تھے۔ شبلی کہا کرتے تھے کہ میں نے ان سے



خطبے سیکھے ہیں۔ تمام کتب رجال میں ان کے متعلق لکھا ہے کہ یہ بڑے دیندار اور حضرت علی کے جانثار صحابہ میں شمار ہوتے تھے۔ بایں ہمہ بعض نام نہاد مورخین اسلام نے ان پر بھی فتنہ انگیزی اور سبائیت کا الزام لگایا ہے۔ معین الدین احمد ندوی تاریخ اسلام میں عبد عثمان کے حالات لکھتے ہوئے ان کے تعلق فرماتے ہیں:-

” کوفہ کے انقلاب پسندوں کے سرغنہ اشتر نخعی۔ جندب بن کعب۔ ابن ذی الحنکہ۔ صعصعہ۔ ابن الکواکب اور عمر بن صابی تھے۔ ان کا کام حضرت عثمان کو بدنام کرنا تھا۔ یہ لوگ ذرا ذرا سی بات پر فتنہ انگیزی کرتے تھے۔“ (تاریخ اسلام جلد اول)

صعصعہ مذکور کا بھی اتنا ہی قصور ہے جتنا کہ ہم مالک اشتر کا بیان کر چکے ہیں۔ یہ بات ٹھیک ہے کہ سیاست وقت سے ناشدنی امور کے صدور پر چٹنا دو سکر لوگ آزاد رائے استعمال کرتے تھے یہ صعصعہ بھی حق بات کہنے سے دریغ نہ کرتے مگر باوجود حکومت سے اتنے اختلافات کے کوئی روایت یہ نہیں بتاتی کہ انھوں نے کس وقت کوئی ایسا قیام اٹھایا ہو جو فتنہ کا سبب ہو۔ اگر حکام کے خلاف کوئی آواز اٹھانا یا ان پر تنقید کرنا ہی فتنہ انگیزی ہے تو پھر ہر مصلح فتنہ انگیز کہا جانے کے قابل ہو سکتا ہے یہیں حیرت ہے کہ ایک طرف تو یہی مورخین اسلامی جمہوریت کے ثبوت میں انہی واقعات کو فخر کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ دوسری طرف جب خلفاء اسلامیہ کی حمایت پر تلتے ہیں تو ان کے مقرر کردہ فاسق و فاجر عمال پر بھی تنقید گوارا نہیں کرتے۔ سعید ابن عاص و لید بن عقبہ۔ زیاد بن سمیہ۔ مروان یا حضرت عثمان کے دیگر متعین کردہ عمال حکومت کا فسق و فجور اور بد طینتی تاریخ اسلام کے کس طالب علم سے پوشیدہ ہے۔ ان کے مقابلہ میں صعصعہ۔ حارث اعور۔ عمرو ابن لبحق۔ اشتر کبیل اور جگر بن عدی وغیرہ مقدس صحابہ علی کو فتنہ انگیز بتانا۔ اور عروصہ و استانین وضع کر کے ان پر سبائیت و یہودیت کا الزام

لگانا معلوم نہیں کس بنا پر ہے۔

صعصعہ اپنی قوم قبیلہ عبد القیس کے سرداروں میں سے تھے۔ ابن عبد البر نے ان کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ :-

”صعصعہ نہایت فصیح، مقرر، عاقل و زیرک، زبان آور اور

متدین فاضل اور بلنح تھے۔ ان کا شمار اصحابِ علی میں ہوتا ہے۔ یحییٰ

بن معین کا قول ہے کہ صعصعہ اور زید و صبحان پسرانِ صوحان عبد القیس کے

خطباء میں تھے۔“ (استیعاب جلد ۱ ص ۵۲۲)۔

صعصعہ مذکور ائمہ رجال کے نزدیک ثقہ اور معروف تھے اور پیغمبر اسلام

کے راویانِ حدیث میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ اور یہ حضرت عثمان، حضرت علی اور ابن

عباس وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔ ابن سعد کا قول ہے کہ :-

”صعصعہ ثقہ مگر قلیل الحدیث تھے۔ ابن حبان نے بھی ان کا

شمار ثقات میں کیا ہے۔ حافظ ذہبی نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ ”وہ

ثقہ اور معروف تھے۔ اور عبداللہ بن بریدہ نے سنن ابی داؤد میں ان سے

حدیث کی روایت کی ہے۔“ (تہذیب التہذیب ابن حجر جلد ۳ ص ۲۲۲)

مختصر یہ کہ یہ مقدس بزرگ متدین، ثقہ، اور مختلف العلوم سے بہرہ وافی حال

کئے ہوئے تھے۔ اور حضرت ابن عباس باوجود اپنے تبحرِ علم کے ان کو ”باقر علم العرب“

کہا کرتے تھے (مرآۃ الذهب مسعودی جلد ۲ ص ۶۴) لہذا ایسے شخص پر الزام لگانے والے

اپنے اوپر بھی ظلم کرتے ہیں اور تاریخ و حدیث پر بھی ان کی یہ انتہائی جسارت ہے۔ اور

ائمہ رجال پر ان کا یہ افتراء و بہتان ہے۔

مدینہ میں جب حضرت عثمان کے خلاف انقلاب بپا ہوا تو اس

مخالف گروہ میں آپ کا نام بھی تاریخوں میں ملتا ہے۔ ابن

عمر و ابن اسحاق

عبدالبر کھتے ہیں :-

”عمرؓ و ابن الحنفیؓ ان لوگوں میں سے تھے جو حضرت عثمان کی طرف بڑھے اور یہ ان چار آدمیوں میں سے تھے جو ان کے گھر میں داخل ہوئے جیسا کہ مورخین کا بیان ہے۔ اس کے بعد وہ علیؓ کے شیعوں میں ہو گئے“

(استیعاب جلد ۲ ص ۲۴۰)

ابن حجر نے اصحابہ میں تحریر کیا ہے کہ :-

”عمرؓ و ابن الحنفیؓ حضرت عثمان کے مخالف گروہ میں ہو گئے۔“

اور علیؓ کے ہمراہ ان کی تمام جنگوں میں حاضر رہے۔“ (اصحابہ جلد ۲ ص ۲۹۲)

اس کے علاوہ طبری۔ کامل اور ابن خلدون نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ عہد

امیر المومنینؓ میں عمر و مذکور حضرت علیؓ کے پرجوش حامیوں میں سے تھے۔ جیسا کہ تمام مورخین نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ آپ کے ہمراہ تمام مشاہدہ جبل و صفین اور نہردان وغیرہ میں شریک رہے۔ چنانچہ جنگ جبل کے موقعہ پر اتنی بہادری کے ساتھ جنگ کی کہ مخالفین کے دانت کھٹے ہو گئے۔

آپ کے صحابی رسولؐ ہونے پر تمام ارباب سیر و رجال کا اتفاق ہے۔ علامہ حجر عسقلانی جو فن رجال کے امام ہو گئے ہیں، ان کی صحابیت کے بارے میں فرماتے ہیں :-

”ابن سکن کا قول ہے کہ آپ کو صحابیت رسولؐ کا شرف حاصل

ہے۔ ابو عمر دیکھتے ہیں کہ آپ نے حدیبیہ کے بعد ہجرت کی۔ اور یہ بھی

کہا جاتا ہے کہ آپ نخبۃ الودع کے بعد اسلام لائے۔ پہلی روایت

زیادہ صحیح ہے۔“ (اصحابہ جلد ۲ ص ۲۹۲)

اس کے بعد ابن حجر تحریر کرتے ہیں :-

”عمرؓ و ابن الحنفیؓ بدر میں شریک تھے۔ اور آپ نے ایک

مرتبہ رسول اللہ کی خدمت میں پینے کے لئے دو دھوا حاضر کیا تھا۔ جس پر آپ نے یہ عادی تھی کہ خداوند اس کو جوانی سے متمتع رکھو "پنچاچہ اسی عا کا اثر تھا کہ آپ اسی سال زندہ رہے لیکن کوئی بال سفید نہیں ہوا"

(اصناف جلد ۲ صفحہ ۲۹۲)

یہ مقدس بزرگ کافی عرصہ پیغمبر اسلام کی صحبت میں رہے اور آنحضرت سے احادیث کو بھی حفظ کیا۔ صاحب استیعاب کا بیان ہے:-

”صحاب النبی وحفظ عند احادیث“ (آپ آنحضرت کی

صحبت میں رہے اور ان سے احادیث کو حفظ کیا۔)

(استیعاب جلد ۲ صفحہ ۲۹۲)

”حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے عمر و ابن الحق کے متعلق بارگاہ اہد میں دعا کی تھی کہ اے خدا اس کے قلب کو تقویٰ سے نورانی کر اور سیدھے راستہ کی اس کی راہ نمائی فرما۔ کاش! اس کی مثل میرے لشکر میں سو آدمی ہی ہوتے“ (شرح ابن ابی الحدید جلد ۱ صفحہ ۱۵۵)

”آپ نہایت عبادت گزار۔ تقویٰ و پرہیزگاری سے متصف صحابی رسول تھے۔ امام حسین علیہ السلام نے اپنے ایک مکتوب میں جو انھوں نے معاویہ کو تحریر کیا تھا فرماتے ہیں:- ”اے معاویہ کیا تم عمر و ابن الحق کے قاتل نہیں ہو، جو ایسے صالح بندوں میں سے تھے جن کے چہرہ کو کثرت عبادت نے بے رونق کر دیا اور گھلا دیا تھا۔ تو نے ان کو وعدہ امن دینے کے بعد قتل کیا“ (امامۃ و السیاسة صفحہ ۱۶۸)

”یہ مقدس انسان ان لوگوں میں سے ہیں جو حجر بن عدی کے گروہ میں شامل تھے اور امیر شام نے فقط محبتِ علی میں ان کو بے جرم و خطا

قتل کیا تھا۔ (طبری جلد ۶ ص ۳۵۶؛ البدایۃ النہایہ جلد ۸ ص ۵۵)

عمر و ابن الحنفیہ کی سیاسی زندگی کے بارے میں تاریخ سے اتنا ہی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ کے انتقال کے بعد آپ شام چلے گئے تھے اور وہیں سکونت اختیار کر لی تھی البتہ حضرت عثمان کے زمانہ خلافت میں کچھ نامعلوم اسباب کی بنا پر کوفہ آگئے تھے اور یہیں سے ان کی سیاسی زندگی کی ابتدا ہوئی ہے۔ اور ارباب اقتدار کے ملامت اقدامات پر جرح و تنقیح شروع کی، اور بعد میں ان کی سیاسی سرگرمیوں کی اتنی شدت ہوئی کہ قتل عثمان میں شریک ہو گئے۔

یہ سائے واقعات طبری، کامل اور ابن خلدون وغیرہ میں تفصیل سے پائے جاتے ہیں۔ مگر اس شدت اور مخالفت میں ان کا پارٹ اتنا ہی تھا جتنا کہ دوسرے ہاجرین انصار اور باہر سے آنے والے مخالفین عثمان ادا کر رہے تھے۔ بایں ہمہ ان کا دامن تحفیہ سازشوں، خلاف دیانت سکیموں اور سبائیت وغیرہ الزامات سے بالکل صاف نظر آتا ہے۔ اگر ان کے عقائد اور اخلاص نیت پر حضرت امیر المؤمنین اور حضرت امام حسین علیہما السلام کو شبہ ہوتا تو ہرگز ان کی حوصلہ افزائی اور مدح و ستائش نہ فرماتے۔ جیسا کہ ان کے تذکرہ میں ہم نے ان ہر دو بزرگوں کے مدحیہ کلمات کو درج کیا ہے۔

**حجر بن عدی کے سارے تقویٰ اور زہد و تقدس میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔**

ان کے صحابی ہونے پر تمام ارباب سیر و رجال کا اتفاق ہے۔ علامہ ابن اثیر جزری لکھتے ہیں :-

”حجر بن عدی اپنے بھائی ہانی بن عدی کے ہمراہ آنحضرت کی

خدمت میں حاضر ہوئے اور جنگ قادسیہ میں شریک تھے فضلاً

صحابہ میں سے تھے۔“ (اسد الغابہ جلد ۱ ص ۳۸۵)

”علامہ ابن شیر نے ان کو محمد بن سعد کے والد سے صحابہ کے طبقہ  
 رابعہ میں شمار کیا ہے۔ اور آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہونے کا تذکرہ کرتے  
 ہوئے تابعین اہل کوفہ کے طبقہ اول میں لکھا ہے۔“

(البدایۃ النہایہ جلد ۸ صفحہ ۵)

علامہ ابن عبد البر لکھتے ہیں :-

”احمد کا بیان ہے کہ میں نے یحییٰ بن سلمان سے کہا کہ کیا یہ بات  
 آپ کو پہنچی ہے کہ حجر مستجاب الدعوتہ تھے؟ انھوں نے کہا کہ بے شک  
 وہ افاضل اصحاب رسولؐ میں سے تھے۔“

(استیعاب جلد اول صفحہ ۱۳۴)

مرزبانی کا قول ہے کہ :-

”حجر شب سے زیادہ عبادت گزار اور زاہد لوگوں میں سے تھے  
 اور اپنی ماں کے ساتھ بہت نیکی کرنے والے تھے۔ نیز نماز روزے میں  
 بہت زیادہ شغف رکھتے تھے۔ اور ہر حدیث کے بعد وضو ضرور کرتے اور  
 جب بھی وضو کرتے دو رکعت نماز بجالاتے۔“

(البدایۃ النہایہ جلد ۸ صفحہ ۵)

حجر بن عدی تقدس۔ زہد اور تقویٰ و پرہیزگاری کے علاوہ روایت حدیث  
 میں بھی اپنا مقام رکھتے ہیں۔ اور اپنے مسلک میں اتنے محتاط تھے کہ سوائے حضرت  
 امیر المومنین کے انھوں نے کسی اور سے حدیث کو روایت کرنا مناسب ہی نہیں سمجھا  
 مؤلف طبقات ان کے تذکرہ میں لکھتے ہیں :-

”کان ثقہ معروفا ولم یرو عن غیر علی شیئاً“

(حجر بن عدی ثقہ اور معروف تھے اور بجز علیؑ کے انھوں نے کسی

دوسرے سے روایتِ حدیث نہیں کی ۔

(البدایۃ النہایۃ جلد ۸ صفحہ ۸۵۰)

یہ تھے وہ خیالات افاضل ائمہ رجال کے جو انھوں نے اپنے اپنے مؤلفات میں نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کر کے حجر بن عدی کی دینی اور روحانی عظمت کا اعتراف کیا ہے۔ ان کے علاوہ اصحابِ عصمت علیہ السلام کی نگاہ میں بھی وہ بلند مقام رکھتے تھے۔ چنانچہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے حجر بن عدی کے قتل کے بعد معاویہ بن ابوسفیان کو خط لکھا۔ اس میں حجر اور ان کے اصحاب کے بارے میں جو واقعہ الفاظ لکھے ہیں ان سے اس مقدس صحابی رسول کی عظمت حقیقی سامنے آجاتی ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں :-

”اے معاویہ! کیا تم حجر بن عدی کنندی اور ان کے عبادت گزار اور نمازی اصحاب کے قاتل نہیں ہو؟ جو ظلم سے انکار کرتے تھے اور بدعتوں کے مخالف تھے اور منکرات سے روکتے تھے“

(امامة والسياسة ص ۱۶۸)

حجر بن عدی کا تذکرہ تاریخ میں عموماً ایک عابد و زاہد صحابی رسول کی حیثیت سے کیا جاتا ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ وہ ان صفات کے علاوہ ایک جنگجو سپاہی اور فاتح کی حیثیت سے کسی سے کم نہیں۔ حضرت عمر کے عہد میں جنگ قادسیہ مدائن اور حلوان وغیرہ کے محاربات میں وہ برابر شریک رہے اور ان جنگوں میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ بلاذری نے حجر کی ان خدمات پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے :-

”عائشہ بنت سعد بن ابی وقاص نے بیان کیا کہ جب معاویہ نے

حجر بن عدی کو قتل کیا تو میرے والد (سعد بن ابی وقاص) نے کہا اگر معاویہ نے دیکھا ہوتا کہ فتح حلوان میں حجر کے کیا کارنامے تھے تو اسے

معلوم ہو جاتا کہ اسلام میں ان کی کیا منزلت ہے۔“

(فتوح البلدان بلاذری ص ۳۰۲)

عبدالامیر المؤمنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام میں حجر بن عدی کا آنحضرت کے مخصوص صحابہ و ممتاز جاننازوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ جنگ جمل و صفین اور نہروان میں یہ مقدس نسان برابر شریک رہا۔ اور جنگی خدمات کے سلسلہ میں نمایاں کام کئے۔ اسی طرح حضرت امیر المؤمنین کی شہادت کے بعد وہ خانوادہ رسالت کے برابر منسلک رہے اور جس طرح حضرت امیر المؤمنین کی حمایت و نصرت کرتے رہے اسی طرح جناب امام حسن کی نصرت و حمایت میں سرگرمی سے حصہ لیتے رہے۔

تمام ارباب سیر رجال کا اتفاق ہے کہ حجر بن عدی حضرت امیر المؤمنین کے مخصوص صحابہ اور ان کے مخلص شیعوں میں سے تھے۔ اس بنا پر ظاہر ہے کہ وہ خلفائے ثلاثہ اور ان کے ہم خیال افراد سے ان کو مذہبی عقیدت نہیں ہو سکتی۔ پھر بھی جہاں تک حضرات شیخین (ابوبکر و عمر) کا تعلق ہے ان کے بارے میں کوئی ایسی تصریح نہیں ملتی جس سے حجر بن عدی کے خیالات کا اندازہ کیا جاسکے۔ البتہ حضرت عثمان اور معاویہ وغیرہ کے متعلق بکثرت روایات ایسی موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حجر بن عدی انکو حق پر نہیں سمجھتے تھے۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں :-

”ابن جریر نیز دیگر مورخین نے حجر بن عدی اور ان کے اصحاب کے

بارے میں بیان کیا ہے کہ یہ لوگ حضرت عثمان پر شدت سے نکتہ چینی

کرتے تھے۔ اور ان کو ظالم سمجھتے تھے۔ نیز امرار پر تنقید کرتے اور انکے

احکام سے منکر تھے۔ اور اس بارے میں بہت مبالغہ کرتے تھے۔ اور

شیدعان علی کو دوست رکھتے تھے اور دین میں بہت شدید تھے۔“

(البدایہ النہایہ جلد ۸ ص ۵۲) (بحوالہ اصحاب امیر المؤمنین نبیؐ ”سرفراز“ لکھنؤ)



عہد عثمان کے پرقتن حالات اور سیاسی انقلاب میں حجر اور ان کے اصحاب کا بھی سیاسی مسلک وہی تھا جو دوسرے اکابرین ملت اور اصحاب امیر المؤمنین رکھتے تھے مگر یہ تنقیدیں اور اعتراضات اس حد تک محدود تھے جس حد تک کہ عام سربراہ اور وہ ہذب شہریوں کے کسی حکومت کے خلاف ہو سکتے ہوں۔ ان کا یہی قصور تھا کہ حق بات کہتے تھے اور عمال حکومت کو خدا اور رسول کا خوف دلا کر بدعات و منکرات سے منع کرتے تھے۔ ان باتوں کے علاوہ سب سے زیادہ الزام جو ان بزرگواروں پر اس وقت عائد کیا گیا وہ فقط یہ تھا کہ یہ لوگ حضرت امیر المؤمنین کے دست و بازو اور آنحضرت سے مخلصانہ عقیدت رکھتے تھے۔ مالک اشتر صغصہ، عمرو ابن لُحَیْم، عمار یاسر اور ابوذر غفاری کی طرح انھیں بھی بعض مورخین نے فتنہ انگیز اور فتنہ و فساد کا بانی قرار دیا ہے۔ اور عبداللہ بن سبا کی پارٹی کے ممتاز افراد سے شمار کیا ہے۔ مؤرخ طبری نے جہاں ابن سبا کا فرضی قصہ درج کر کے غلط سلطہ روایات کو ایسے بزرگوں کے سر تھوپا ہے، وہاں ایک روایت یہ بھی لکھدی کہ :-

”جب زیاد بن ابوسفیان نے حجر اور ان کے ساتھیوں کو معاویہ

کے پاس گرفتار کر کے بھیجا تو خط میں حجر بن عدی اور ان کے بارہ اصحاب

کو ”سبائیہ تراہیہ“ کے خطاب سے یاد کیا“ (طبری جلد ۵ ص ۱۵۲)

یہ روایت بھی ان لوگوں کے خیالات کی مؤید معلوم ہوتی ہے جنہوں نے ابن سبا

اور سبائین کے معاملہ کو طول دیا ہے۔ جس طرح ابن سبا کا سارا افسانہ عقل و روایت

کی کسوٹی پر پورا نہیں اُترتا اسی طرح یہ روایت بھی اس قابل نہیں کہ سبائیت کی ابتداء

معاویہ کے عہد سے تسلیم کی جائے۔ کیونکہ یہ افسانہ تو سیف ابن عمر راوی کا ہے جو ۱۵ھ

میں فوت ہوا، اور صرف طبری نے ہی ان واقعات کو سیف سے روایت کیا۔ حالانکہ طبری

سے پہلے کی تمام تاریخیں اس معاملہ میں خاموش ہیں جیسا کہ سابقاً ہم تفصیل سے اس موضوع

پر گفتگو کر چکے ہیں۔ بہر حال جو کچھ بھی ہو یہ تو اپنے مقام پر ثابت ہے کہ حجر اور ان کے اصحاب  
 فتنہ و فساد وغیرہ کے الزامات سے بالکل بری ہیں حضرت عثمان کی مخالفت اور ان پر  
 شدت تنقید کی سزا اگرچہ اس وقت تو کسی وجہ سے انہیں نہ مل سکی مگر بعد میں جب امیر معاویہ  
 ساری اسلامی مملکت پر مسلط ہوا تو اس نے حضرت امیر المؤمنین کی شہادت کے بعد حجر  
 اور ان کے پاکباز ساتھیوں کو فقط اسی جرم میں تلوار کے گھاٹ اتار دیا (طبری جلد ۵ ص ۱۵۲)۔  
 حجر اور ان کے ساتھیوں کے سفاکانہ قتل اور شہادت کا تفصیلی واقعہ ہم پیش  
 نہیں کرنا چاہتے۔ کیونکہ یہ واقعہ ایک تو معاویہ کے عہد کا ہے اور ہمارا موضوع خلافت  
 عثمانیہ کے حالات پر تبصرہ کرنا ہے۔ اور دوسرے یہ تفصیل ایک مستقل باب چاہتی ہے  
 جسے ہم طوالت کے اندیشہ سے نظر انداز کرتے ہیں۔

بہر حال حجر بن عدی کا واقعہ قتل ایسا غیر اہم نہ تھا جس سے اس وقت کی اسلامی  
 دنیا متاثر نہ ہوتی۔ حجر بن عدی ایسی شخصیت نہ تھی جس کے قتل کو مسلمان آسانی سے برداشت  
 کر لیتے۔ اور مذہبی حلقوں کی طرف سے کوئی صدائے احتجاج بلند نہ ہوتی۔ وہ ایک عابد  
 زاہد بزرگ ہونے کے علاوہ صحابی رسول بھی تھے۔ جس کی بنا پر لوگ انہیں عزت و  
 احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ مؤلف سیر الصحابہ لکھتے ہیں :-

”حجر کا قتل معمولی واقعہ نہ تھا، اپنے خاندانی اعزاز اور حضرت علی  
 کی حمایت کی وجہ سے کوفہ میں وہ بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے  
 تھے۔ اس لئے اہل کوفہ میں بڑی برہمی پیدا ہوئی۔ معززین کوفہ حضرت  
 حسن کے پاس فریاد لے کر پہنچے۔ آپ بے حد متاثر ہوئے۔“  
 (سیر الصحابہ جلد ۱ ص ۲۹)

اس کے بعد مؤلف مذکور حجر کے قتل پر ام المؤمنین کے تاثرات کا ذکر کرتے  
 ہوئے لکھتے ہیں :-

”اہل بیت نبوی میں حجر کی بڑی وقعت تھی۔ چنانچہ حضرت عائشہ نے جس وقت ان کی گرفتاری کی خبر سنی تو اسی وقت انھوں نے عبدالرحمان بن عارت کو معاویہ کے پاس دوڑا دیا کہ وہ حجر اور ان کے رفقاء کے بارے میں خدا کا خوف کریں۔ لیکن یہ اُس وقت پہنچے جب حجر قتل ہو چکے تھے۔“

(سیر الصحابہ جلد ۷ ص ۴۹)

”ام المؤمنین کے علاوہ عبداللہ بن عمر بھی بے حد متاثر ہوئے چنانچہ جس وقت انھیں حجر کے قتل کی خبر پہنچی تو وہ اس وقت بازار میں تھے خبر سنتے ہی بے چین ہو گئے اور چخیں مار مار کر رونے لگے۔“

(اسد الغابہ جلد ۱ ص ۳۸۶)

”صحابہ کے بعد تابعین میں حسن بصری کا مرتبہ بہت بلند ہے جب ان کے سامنے حجر کے قتل کا ذکر ہوا تو انھوں نے کہا کہ وائے ہوا سق جس نے حجر اور ان کے ساتھیوں کو قتل کیا۔“

(استیعاب۔ جلد ۱ ص ۱۳۵)

ام المؤمنین حضرت عائشہ۔ عبداللہ بن عمر اور حسن بصری وغیرہ مقتدر اکابرین اسلام کا حجر کے قتل پر معاویہ کو ملاقات کرنا اور خود بے حد متاثر ہونا دلیل ہے اس بات کی کہ حجر اور ان کے ساتھی فتنہ باز اور فساد انگیز نہ تھے بلکہ اس وقت کی اسلامی سوسائٹی میں اعلیٰ سیرت اور بلند کردار رکھتے تھے۔

محمد بن ابوبکر کی والدہ ماجدہ اسماء بنت عمیس ہیں جو اول اول جعفر بن ابیطالب علیہ السلام محمد کو بہت عزیز رکھتے تھے اور ان کی تعریفیں فرمایا کرتے اور قرآن پر فضیلت دیتے تھے، اس لئے کہ وہ عابد و مجتہد تھے۔ حضرت امیر علیہ السلام کے ساتھ جنگ جمل و صفین

میں برابر شریک رہے۔ اور منجملہ اُس گروہ کے ساتھ تھے جنہوں نے عثمان کے گھر کا محاصرہ کیا اور بعض کا خیال ہے کہ اُن کے خون میں بھی شرکت کی تھی۔ مگر بعض کا خیال ہے کہ وہ قتل میں شریک نہیں تھے۔ لیکن تاریخ اعمم کوئی سے اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ وہ قتل عثمان میں پیش پیش تھے۔ عہد امیر المؤمنین میں جب یہ الی مصر تھے تو معاویہ نے انہیں شہید کروا ڈالا۔ جب امیر المؤمنین کو شہادت کی خبر پہنچی تو آپ نے گریہ کیا اور فرمایا کہ وہ اللہ کا بندہ صراح اور ہمارا فرزند صراح تھا۔

یہ عجیب بات ہے کہ محمد بن ابوبکر کو تو حضرت امیر علیہ السلام کے فرزند اور ان کا خالص محبوب ہونے کی وجہ سے خال المؤمنین نہیں کہا جاتا حالانکہ وہ حضرت عائشہ کے بھائی تھے۔ مگر امیر معاویہ کو خال المؤمنین کہا جاتا ہے۔ حضرت عثمان کی خلافت کے عہد میں ان کی سیاسی سرگرمیاں بھی تاریخ میں پائی جاتی ہیں جس طرح دوسرے افراد اہم نے مظالم حکومت کو ناپسند کیا، اسی طرح اس نوجوان نے بھی اپنا سیاسی مسلک وہی رکھا۔ حضرت عائشہ کا بھائی اور خلیفہ اول کا فرزند ہونے کی حیثیت سے انہیں توقع تھی کہ ہمارے ساتھ حکومت وقت کا اچھا سلوک ہوگا۔ اور اپنے خاندانی اعزاز کی بناء پر اُن کا یہ حق بھی تھا کہ وہ دوسرے اکھڑ نوجوان امویوں کی بجائے اسلامی نظام حکومت میں زیادہ حصہ لیں۔ مگر باوجود اس کے کہ ان کے ساتھ کوئی نیک برتاؤ کیا جاتا، سامری دار الخلافہ مدینہ سے ہی اُن کے قتل کی سازش ہو گئی، جس پر یہ زیادہ برا فروختہ ہو گئے اور مخالفت عثمان میں نہایت شدت اختیار کر لی۔

ڈاکٹر طاہر حسین مصری ان کے خاندانی اعزاز اور حقوق پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

” اس کی بزرگی و شرافت کے لئے اتنا کافی ہے کہ وہ صدیق

اکبر کا فرزند اور ام المؤمنین حضرت عائشہ کا بھائی تھا۔ اور ان سب

باتوں کے علاوہ وہ قریشی نوجوان تھا، اور اُس عزت کا مالک تھا جو قریش  
 کو حاصل تھی۔ اُسے اپنے والد بزرگوار کی منزلت پر ناز تھا۔ کیونکہ انہیں  
 نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مردوں سے زیادہ چاہتے تھے۔ اپنی ہمیشہ  
 پر بھی فخر تھا کہ وہ آنحضرتؐ کو جملہ خواتین سے زیادہ عزیز تھیں۔ بے شک  
 اسے توقع تھی کہ حضرت عثمان اس کے رتبہ کا خیال کریں گے اور اُسکے  
 والد اور ہمیشہ مکرمہ کی عظمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایسے ہی اسے بھی  
 کہیں کی حکومت دیدیں گے جیسے وہ اپنے قرابتداروں کو دے لے ہے  
 تھے، جو کسی انفرادی شخصیت یا کارکردگی کے لحاظ سے اس سے فائق  
 نہ تھے۔ لیکن حضرت عثمان نے اس طرف کوئی توجہ نہ دی نہ اُسے کسی  
 گنتی میں شمار کیا۔ حضرت عثمان کے لئے ممکن نہ تھا کہ وہ تمام قریشی نوجوانوں  
 کو یا قریشی نوجوانوں کی اکثریت کو والی بنا دیں۔ اسامیاں محدود تھیں،  
 طلبکاروں کی کثرت تھی۔ البتہ حضرت عثمان نے ایک فریق کو دوسرے  
 فریق پر ترجیح دے کر ان نوجوانوں کے دلوں میں مختلف قسم کے غم و غصہ  
 اور غیرت و حسد کے جذبات کو برانگیختہ کر دیا۔“

(الفتنۃ الکبریٰ جلد اول ص ۲۷۲)

محمد بن ابی حذیفہ کی صحابیت روز روشن کی طرح واضح ہے  
 محمد بن ابی حذیفہ ان کے متعلق ابن حجر اصالبہ میں لکھتے ہیں:-

”محمد بن ابی حذیفہ حبشہ میں پیدا ہوئے اور ان کے باپ ابو حذیفہ  
 سابقین اولین میں تھے۔ ان کا نام محمد ہے اور ان کا شمار صحابہ میں ہے  
 ان کے باپ ابو حذیفہ شام کی جنگ میں شہید ہو گئے تو عثمان نے محمد بن ابی  
 حذیفہ کو پالا اور پرورش کیا۔ جب محمد بن تمیز کو پہنچے تو سب سے زیادہ جو

شخص عثمان کے خلاف لوگوں کو جمع کرتا تھا وہ یہی تھے۔ انہوں نے عثمان کے معزول کرنے کی تحریک کی اور شہروں میں عثمان کے خلاف آگ بھڑکائی۔ لوگوں کو ابھارا۔ ازواجِ نبی کی طرف سے خطوط لکھے جن میں عثمان پر طعن ہوا کرتی تھی۔ لوگوں کے مجمع میں یہ خطوط پڑھے جاتے تھے۔ ان میں یہ لکھا ہوتا تھا کہ اے اہل اسلام! عثمان نے شریعت میں ایسے ایسے تغیرات کئے جنکی ہم تم سے شکایت کرتے ہیں۔ لوگ ان خطوں کو سن کر چیخ چیخ کر روتے تھے اور مسجدوں میں آواز گریہ بلند ہوتی تھی۔ محمد نے ہی وہ لشکر مصر سے بھیجا تھا جس نے عثمان کا محاصرہ کیا اور ان کو قتل کر ڈالا۔ (اصابہ جلد ۳ ص ۷۳)

علامہ ابو عمرو استیعاب میں لکھتے ہیں:-

”کہا جاتا ہے کہ عثمان کے شدید ترین مخالفین محمد نام کے تین بزرگ تھے۔ محمد بن ابوبکر۔ محمد بن ابی حذیفہ۔ محمد بن عمر ابن حزم۔“

(استیعاب تذکرہ محمد بن عمر ابن حزم)

محمد بن ابی حذیفہ بمشکل چودہ پندرہ برس کا تھا کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ باپ کی وفات کے بعد حضرت عثمان نے اُسے پالا اور عالم شباب تک حضرت عثمان کے پاس ہی رہا۔ حضرت عثمان جب تختِ خلافت پر متمکن ہوئے تو انہیں بھی اپنے باپ کی منزلت اور خود خلیفہ وقت سے خصوصی تعلق رکھنے کی بنا پر یہ توقع تھی کہ حضرت عثمان دوسرے قریشی نوجوانوں خصوصاً بنی امیہ کی طرح اسے بھی جلد ہی کسی چھوٹے بڑے عہدے پر لگا دینگے مگر حضرت عثمان نے اپنے سیاسی تدبیر سے فائدہ نہ اٹھایا اور اس نوجوان کی خواہشات کو ٹھکرا دیا۔ اور یہ ناراض ہو کر مصر چلا گیا۔ اور اسی وقت سے حضرت عثمان کا شدید مخالف بن گیا۔ مگر تاریخ سے یہ ثبوت نہیں ملتا کہ یہ بزرگوار اور محمد بن ابی بکر وغیرہ عبداللہ بن سبا اور اس کے گروہ کی سازش کا شکار ہو گئے تھے۔ جو کچھ انہوں نے کیا وہ ان کا اپنا

ذاتی موقف اور سیاسی مسلک تھا۔

مالک اشتر، عمار، یاسر، صعصعہ بن صوحان، عمرو بن العاص، عمار اور اس کے اصحاب۔ محمد بن ابوبکر اور محمد بن ابوعبیدہ وغیرہ اصحاب رسولؐ و اصحاب امیر المؤمنینؑ کے سیرت و کردار ان کی دینی منزلت اور عالی مرتبت ہونے، نیز ان کے سیاسی موقف و مسلک کو ہم نے کتب سیرت و تاریخ اور ائمہ رجال کے متفقہ بیانات سے واضح کر لیا ہے کہ یہ پاکباز انسان مخالفین حضرت عثمان اور مبایعین امیر المؤمنینؑ ضرورت تھے مگر ان پر فتنہ انگیزی، فسق و فجور اور سبائیت وغیرہ کا الزام تاریخی بددیانتی ہے۔ نیز اس کے ساتھ ساتھ "اصحاب کلیم عدول" کا معیار عقیدت جو جمہور اسلام کی طرف سے بڑے شد و مد کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے وہ ختم ہوتا نظر آتا ہے۔ کیونکہ جس طرح حضرت عثمان وغیرہ صحابہ کی فہرست میں شامل تھے اسی طرح یہ بزرگوار بھی مقتدر صحابہ میں سے شمار کئے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ زید بن صوحان، کبیل اور جناب بن کعب وغیرہ کافی ایسے لوگ تھے جو ان کے ساتھ شریک تھے۔ اگر ان لوگوں نے حکومت پر نکتہ چینیاں کیں تو کونسا جرم کیا؟ بلکہ یہ تو عین آزادی فکر اور مصلحانہ کارروائی ہے۔ ایک حکومت جو اسلامی حکومت ہونے کی مدعی ہو اور جس کی بنیاد مسلمانوں کی اکثریت کے پیش نظر جمہوری اصولوں پر استوار ہو تو اس کو دیکھتے ہوئے عوام کے ہر فرد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ خلاف کتاب سنت امور پر اپنے حکام کو متنبہ کرے۔ آج غیر مذہبی حکومتوں کے دور میں بھی ہر شخص کو آزادی کے ساتھ اپنے خیالات کے اظہار کا حق حاصل ہے۔ معمولی سے معمولی آدمی بھی حکومت پر سخت سے سخت تنقید کرتا ہے۔ اور حکومت فراخ دلی سے اس کو برداشت کرتی ہے اور کوئی قانونی دفعہ عائد نہیں کی جاتی ہے۔ اور اس سلسلہ میں خود خلافتِ ثانیہ میں بکثرت ایسے واقعات ملتے ہیں جن میں خلیفہ وقت حضرت عمرؓ پر کھلے بندوں تنقید ہوتی تھی اور خود حضرت عمرؓ اس بات کا اعتراف کرتے تھے کہ تمام لوگ عمر سے زیادہ فقہ جانتے ہیں، یہاں تک کہ بوڑھی عورتیں بھی

اگر مذکورہ بالا مقدس افراد امت پر فتنہ و فساد نشر انگیزی اور سبائی انجمن کا الزام اس واسطے لگایا جاتا ہے کہ سیاستِ وقت کی انھوں نے مخالفت کی۔ اور مخالفت کرنے کے بعد جب خلیفہ وقت قتل ہو گئے تو حسبِ درخواست ایک نئے خلیفہ کا انتخاب کر لیا۔ تو یہ حرم تو سب سے زیادہ اہمات المؤمنین اور اکابر ہاجرین و انصار کا ہے جنھوں نے بالواسطہ یا بلاواسطہ حضرت عثمان کے خلاف لوگوں کو اکسایا اور بعد میں قتل بھی کروادیا، اور حضرت امیر علیہ السلام کے ہاتھ پر بخوشی بیعت بھی کر لی۔ جیسے طلحہ و زبیر وغیرہ۔ مگر اس ضمن میں جب ہم مورخین و مستر ضیین کے بیانات کو بغور پڑھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اہمات المؤمنین اور طلحہ و زبیر وغیرہ اصحابِ رسول کو سبائیت وغیرہ کے الزام سے بری دکھایا گیا ہے۔ ہماری حیرت کی انتہا نہیں رہتی کہ یہ دورخی پالیسی اور متضاد بیانی کیسی ہے جب تمام صحابہ رسول قتل عثمان کے ناگوار حادثہ میں شریک ہیں، اور اس قتل کی تمام تر ذمہ داری ابن سبار اور اس کی سازش پر ہی مبنی ہے تو چاہئے یہ تھا کہ تمام صحابہ رسول اور اکابرین ملتِ اسلامیہ کو سبائی اور فتنہ انگیز کہا جاتا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ شدتِ تعصب نے طلحہ و زبیر اور اہمات المؤمنین کو تو مجتہد بنا دیا اور حضرت امیر المؤمنین کے مخلص صحابہ ناصرین کو سبائیت کے خطاب سے نوازا۔

ہم تو اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ابن سبار اور اس کے متعلق سب افسانے بالکل فرضی اور من گھڑت ہیں۔ ان ناخوشگوار واقعات کے علل و اسباب جیسا کہ ہم تفصیل سے لکھ چکے ہیں کچھ قدیم عداوتیں مزید برآں حکومتِ وقت کی بے اعتدالی اور پھر بعض اکابرینِ ملت کی حصولِ اقتدار کی توقعات تھیں۔ اس زمانہ کے سیاسی مزاج اور لوگوں کے طبائع مختلفہ کے میلانات ہی اس بات کے مقتضی تھے کہ یہ فتنے رونما ہوئے۔ ورنہ کیس قدر عبیداز عقل بات ہے کہ ایک نو مسلم یہودی آن واحد میں اصحابِ رسول کو مجتمع کر کے تشدد و اقتراق کے دروازے کھول دے جبکہ اسلسلہ قیامت تک لائق ہی ہو۔



## مخاریبہ جبل اور اس کا پس منظر

ابن سبار اور سبائین کے متعلق مبالغہ اور منالطہ انگیزی سے کام لینے والے مورخین اور کاتبین نے ابن سبار کو اس کے مقام سے بہت بلند دکھانے اور اس کو اپنے مشن میں کامیاب ظاہر کرنے کی غرض سے اکابرین ملت اسلام طلحہ وزیر و ام المومنین حضرت عائشہ اور امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام ایسے مدبرین مت پر بھی تہمت تراشی سے دریغ نہیں کیا۔ ان مورخین کا وہم ہے کہ جب قتل عثمان میں سبائی گروہ کامیاب ہو چکا تو انھوں نے اس خوف سے کہ یہیں خون عثمان میں جلو قصاں ہم باخوذ نہ کر لے جائیں اس واسطے انھوں نے ایک اور سازش کا جان بچھانے کی کوشش کی، اور صحابہ کرام کو دوبارہ میدان جنگ میں لانے کی کوشش شروع کر دی۔ ان فرضی داستان سراؤں کا خیال ہے کہ جنگ جبل کے فریقین پہلے سے بالکل ایک دوسرے کے ساتھ صاف تھے اور جنگ کرنے کا انھیں کوئی خیال نہ تھا یہی سبائین دونوں فریق کو بصرہ کے محاذ جنگ پر لانے میں کامیاب ہو گئے، اور آخر میں صلح کی پوری پوری امید ہو چکی تھی وہ اس وجہ سے نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئی کہ سبائیوں کا گروہ اپنی خفیہ سکیم کے ذریعہ دونوں شکروں کو آمنے سامنے کر دینے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ اور اس وجہ سے فریقین کی صلح جنگ میں تبدیل ہو گئی۔

میرے خیال میں ابن نام نہاد رواۃ مورخین نے مورخانہ رواداری سے ہٹ کر ایسے واقعات لکھے ہیں اور ہاجرین و انصار پر انتہائی زیادتی سے کام لیا ہے۔ ام المومنین حضرت علی و طلحہ وزیر وغیرہ اصحاب رسول ان باتوں سے بہت بلند تھے۔ ان کے متعلق یہ خیال کرنا کہ وہ ایک چند دنوں کے نو مسلم یہودی نژاد منافق کے جھانے میں آگئے اور ہزار ہا مسلمانوں کا ناحق خون چندا و باشوں اور کینوں کی خفیہ تدبیروں سے ضائع

کرادیں اور وہ اپنی سادہ لوحی کی وجہ سے ایسی باتوں کو سمجھ نہ سکیں۔

ذیل میں ہم جنگِ جمل کے حقیقی علل و اسباب کا اجمالی خاکہ پیش کر کے یہ بات اچھی طرح واضح کر دیتے ہیں کہ قتلِ عثمان کے بعد جنگِ بصرہ خود مسلمانوں ہی کے ذہنی مخالف اور مذہبی و سیاسی تضاد کا نتیجہ تھی۔ ابنِ سبا اور سابقین کے افسانے تو اہی واقعات کو چھپانے کے لئے وضع کئے گئے ہیں۔

ہر ہنگامہ و فتنہ و فساد کے بانی مہمانی اور سربر آوردہ کچھ خاص لوگ ہوتے ہیں اور ان فسادات میں ان لیڈروں کی کچھ نہ کچھ توقعات پوشیدہ ہوتی ہیں جس کا وہ اظہار نہیں کرتے۔ اس ذیل میں وہ عوام الناس کو دھوکہ دینے کے لئے وہ کسی ایسی بات کا اعلان کرتے ہیں جس سے کہ عقلِ عمومی اور انتشار پسند ذہن متاثر ہو سکیں۔ اور عوام کے غیظ و غضب سے فائدہ اٹھا کر وہ ان ہنگاموں کی تخم ریزی کرتے ہیں۔ وہ فتنہ و فساد جس کی ابتداء امیر المؤمنین کے تخت نشین ہوتے ہی شروع کر دی گئی تھی اس کے سربر آوردہ اشخاص کے نام اس وقت کافی شہرت حاصل کر چکے تھے۔ ان میں معاویہ بن ابوسفیان طلحہ وزبیر اور ام المومنین حضرت عائشہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ معاویہ بن ابوسفیان جو بنو امیہ کا چشم و چراغ اور اموی و پومبسی کا ترجمان تھا اور طلحہ وزبیر جو اکابر صحابہ اور جمہور مسلمان کے خیال کے مطابق عشرہ مبشرہ میں داخل تھے، اور ام المومنین حضرت عائشہ جو پیغمبر اسلام کی زوجہ محترمہ تھیں نے ملا کر سوچی سمجھی سکیم کے ماتحت جنگِ جمل ایسے فتنہ کبریٰ کی بنیاد رکھی اور لوگوں کو اس جنگ میں شرکت کرنے کی خاص طور پر دعوت دی۔ خلیفہ وقت حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام سے ان حضرات کی مخالفت کی طاہری وجہ قتلِ عثمان کے قصاص کا مطالبہ تھا جس کے متعلق خود حضرت امیر علیہ السلام نے ایک بار نہیں کئی دفعہ اعلان کیا کہ میں خونِ عثمان سے بری ہوں۔ چنانچہ حج البیت کے خطبات و مکتوبات اس امر پر شاہد ہیں۔

مگر اس مخالفت کے حقیقی اسباب کچھ اور تھے۔ وہ یہ کہ امیر شام معاویہ بن ابو سفیان مدت سے خلافت کی خواہیں دیکھ رہا تھا۔ اس کے ساتھ بنو ہاشم اور بنو امیہ کی قدیمی دشمنی کے جذبات اور امویوں کے جاہلی تعصبات بعد از اسلام بھی اسی طرح کار فرما تھے جس طرح کہ قبل از اسلام۔ اموی نوجوانوں کی پشت پناہی اور وسیع و عریض صورتِ شام کا اقتدار اس اموی ڈکٹیٹر کے ارادوں کو پروان چڑھانے کے سلسلہ میں مدد و معاون اور سازگار تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ساری حکومتِ اسلامیہ کو ہتھیانے کے لئے کسی موقعہ کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔ محاصرہ کے دنوں میں حضرت عثمان نے بار بار طلبِ نصرت کی مگر باوجود اموی نژاد ہونے کے اپنے حقیقی ارادوں کی تکمیل کی غرض سے شام میں بیٹھا سب کچھ دیکھتا رہا مگر ٹس سے مس نہ ہوا جس کی وجہ یہی کہی جاسکتی ہے کہ اُسے عثمان کا قتل ہو جانا اسی لئے گوارا تھا کہ اس کے بعد اموی سیاست کے زور سے مرکز پر بھی قابو ہو جائے گا۔ انہی خیالات نے اُسے حضرت امیر المؤمنین کی اطاعت سے باز رکھا اور جنگِ صفین کے موقعہ پر وہ حکیم کی کامیاب سازش کی بدولت اپنے ارادوں میں کامیاب ہو کر ہی رہا۔

جب حضرت عثمان قتل ہو گئے تو حالات کے اعتبار سے چاہئے تو یہ تھا کہ معاویہ بن ابو سفیان سب سے پہلے امیر المؤمنین کے خلاف اعلانِ جنگ کرتا، مگر اس کی اموی ڈبچوسی نے اس کو آڑے ہاتھوں لیا اور حضرت علیؑ کے دوسرے مخالفین کو میدانِ جنگ میں جھونک دیا۔ حالانکہ وہ بیعت بھی کر چکے تھے۔ طلحہ و زبیر وغیرہ کے ساتھ ساز باز شروع کر دی اور انھیں اس بات کا یقین دلایا کہ کامیابی کے بعد خلافت کا تاج آپ کے سروں پر ہوگا اور میں آپ کی اطاعت کروں گا۔ نیز عسکری طاقت اور جنگ کے اخراجات وغیرہ سے بھی مدد کروں گا۔ اس لئے آپ علمِ بناوت بلند کر دیں اور خونِ عثمان کے قصاص کو بہانہ قرار دیں۔

چونکہ طلحہ وزبیر کے دل میں خلافت کی طمع تو مجلس شوریٰ کے وقت سے ہی تھی اور اسی وجہ سے وہ قتل عثمان میں پیش پیش رہے تھے اس لئے امیر شام کی دعوت پر فوراً البتیک کہدی۔ حضرت امیر المؤمنین کے خلیفہ ہو جانے پر ان کی تمام امتیں خاک میں مل گئی تھیں اور وہ کچھ نہ کر سکتے تھے۔ خواہ مخواہ امیر المؤمنین کو تنگ کرنے کے لئے کوفہ و بصرہ کی گورنریاں طلب کیں اس خیال سے کہ اگر یہ دو صوبے ہاتھ آگئے تو اقتدار کے زور سے مرکز پر قابو پانا آسان ہو جائے گا۔ مگر قائد ملت اسلام نے اپنی دینی و سیاسی بصیرت پر بھانپ لیا اور صاف انکار کر دیا۔

یہی وجہ ہے کہ یہ دونوں حضرات معاویہ بن ابوسفیان کے جھانسنے میں آگئے اور بغاوت کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ ان حالات پر عہد حاضر کا نکتہ سنج مورخ عبدالرزاق طلیح آبادی یوں تبصرہ کرتا نظر آتا ہے:-

”بیعت کے بعد طلحہ وزبیر نے کوفہ و بصرہ کی گورنریاں طلب کیں

لیکن حضرت نے انکار کر دیا، تو مکہ جانے کی اجازت چاہی۔ حضرت انکے

ارادوں سے واقف تھے، مگر آزادی میں خلل ڈالنا نہیں چاہتے تھے

اجازت دیدی۔ دراصل دونوں کے پاس معاویہ کے خط پہنچ چکے تھے

کہ عثمان کے خون کا دعویٰ کیا جائے اور حضرت علیؑ کو خلافت سے ہٹیل

کر دیا جائے اور یہ دونوں باری باری خلیفہ بنیں۔ معاویہ نے یہ یقین دلایا

تھا کہ ان کی بیعت کر لیں گے اور ہر قسم کی مدد دیں گے۔ یہ بھی معاویہ کا مشورہ

تھا کہ مکہ جائیں جہاں من کا عثمانی گورنر ملیگا وہ مالی مدد پیش کرے گا۔ حضرت

عائشہ پہلے سے مکہ میں موجود تھیں اور حضرت علیؑ سے ان کا رنج بہت پرانا

تھا۔ معاویہ نے لکھا کہ انھیں بھی بلا لیا جائے۔ بنو امیہ کے اور لوگ بھی

مکہ میں ہیں، وہ بھی ساتھ دیں گے۔ پھر سب ملکر عراق جائیں اور اس پر

قبضہ کر لیں کہ بہت بڑا طاقتور مرکز ہے۔

معاویہ چاہتا تھا کہ طلحہ وزیر امیر المؤمنین سے ٹکرا جائیں۔ فریقین میں ایک ختم ہو جائے گا اور جسے فتح ہوگی وہ بھی کمزور پڑ جائے گا اور معاویہ کو اپنی سلطنت قائم کرنے میں آسانی ہو جائے گی۔

(ہجرت النبلا۔ مترجم مطبوعہ لاہور۔ طبع دوم ص ۱۰۲)

**طلحہ زبیر کی وجہ مخالفت**

طلحہ زبیر کی مخالفت امیر المؤمنین سے کوئی زیادہ

تعجب خیز نہیں۔ ہم پہلے تحریر کر چکے ہیں کہ شوری

کے دن سے ہی ان کے دلوں میں خلافت کی امیدیں پرورش پا رہی تھیں۔ انہی امیدوں نے ان کو قتل عثمان پر آمادہ کیا اور یہی توقعات ان کو کشاں کشاں حمل کے میدان میں لائیں۔ مزید برآں امیر المؤمنین کا ان کے مطالبات کو ٹھکرا دینا اور اس پر معاویہ کا انھیں وعدہ نصرت دینا ان کے بغاوت کرنے کا زیادہ سبب بنا، اور اس کے بعد امیر المؤمنین حضرت عائشہ کی معیت سونے پر سہاگے کا کام دے گئی۔ طلحہ چونکہ ابوبکر کے خاندان سے تھے اس لئے وہ تو سقیفہ کے روز سے ہی اہل بیت نبوی کے مسلک سے مخالف رکھتے تھے اور حضرت ابوبکر کے خلیفہ ہونے سے وہ خلافت کو اپنے خاندان کا مستقل حق خیال کرتے تھے۔ انھیں پورا یقین تھا کہ ابوبکر کے بعد وہ خلیفہ ہو جائیں گے۔ اس بات کا اظہار بھی انھوں نے اشارتاً کر دیا تھا۔ چنانچہ مورخین کا بیان ہے کہ جب ابوبکر نے عمر کو خلیفہ نامزد کیا تو طلحہ نے غصہ میں ہو کر کہا کہ آپ عمر کو خلیفہ بنا رہے ہیں حالانکہ دوسرے لوگ ان سے زیادہ اہل موجود ہیں۔ رہ گئے زبیر تو وہ ابتداً تو بنو ہاشم کے ساتھ ہے اور اس سلسلہ میں تکالیف بھی برداشت کیں۔ مورخین بیان کرتے ہیں کہ ابوبکر کی خلافت کی بیعت کے سلسلہ میں انھوں نے شدت اختیار کر لی تھی اور انکار پر ڈٹے رہے، یہاں تک کہ حکومت وقت کے خلاف تلوار بھی میان سے نکال لی تھی۔ مگر جب

ان کے فرزند عبداللہ بڑے ہوئے تو انھوں نے ان کو سابقہ مسلک سے ہٹا دیا۔ اسی لئے امیر المؤمنین فرمایا کرتے "ما نزلنا بئر حثیٰ کبر بنما عبد اللہ فاتصا" (زیر ہم میں سے تھے، یہاں تک کہ ان کا بیٹا عبداللہ بڑا ہوا، اس نے زیر کو ہم سے دور کر دیا) عبداللہ بن زیر کی ماں حضرت ابو بکر کی بیٹی اور حضرت عائشہ کی بہن تھیں اور عبداللہ کی تربیت بھی حضرت عائشہ نے ہی کی تھی، اس لئے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ام المؤمنین نے حضرت عبداللہ کے دل میں علی کے خلاف کس قدر جذبات <sup>لغت</sup> لگائے اور بیعت کئے ہوں گے۔ اور یہی وہ سبب ہے جس کی بنا پر عبداللہ نے اپنے والد بزرگوار کو امیر المؤمنین سے مخالف بنا دیا۔ مزید برآں شوری کبیٹی کا ممبر ہونا بھی زیر کے طبع خلافت کا سبب بنا۔ دراصل یہی دو باتیں ہیں جنہوں نے زیر کو علی علیہ السلام کا مخالف بنا دیا تھا۔

مختصر یہ کہ طلحہ وزیر دونوں اپنی ذات کے لئے خلافت و حکومت کے طلبکار تھے۔ لیکن جب خلافت نہ مل سکی تو کوفہ و بصرہ کی صوبیداریاں طلب کیں۔ جب اس موقع پر بھی کامیابی نہ ہوئی تو سرکشی پڑ گئے، اور خون عثمان کے بہانہ سے بصرہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ مگر ان کا یہ بہانہ بھی دیر تک پوشیدہ نہ رہا اور اسی وقت ارباب بصیرت بھانپ گئے کہ ان کے ارادے کچھ اور ہیں۔ امام حاکم نیشاپوری نے بسلسلہ اسناد اسرائیل بن موسیٰ سے روایت کی ہے کہ:-

"جب طلحہ وزیر بصرہ پہنچے تو لوگوں نے پوچھا کیسے آنا ہوا؟ انھوں نے کہا کہ ہم عثمان کا انتقام لینے آئے ہیں۔ اس حسن بصری نے کہا سبحان اللہ! کیا لوگوں کو عقل نہیں ہے؟ وہ یہ نہیں کہیں گے کہ تمہارے سوا اور کسی نے عثمان کو قتل نہیں کیا؟" (مستدرک حاکم جلد ۱۸)

خود حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے اس سلسلہ میں انہیں کافی سمجھانے کی کوشش کی اور بار بار یہ کہا کہ خون عثمان کے الزام سے میں بالکل بری ہوں۔ حضرت امیر المؤمنین ان کے جواب میں ایک موقع پر فرماتے ہیں:-

”خدا کی قسم انھوں نے مجھ پر کوئی سچا الزام نہیں لگایا اور نہ ہی انھوں نے میرے اور اپنے درمیان انصاف ہی برتا۔ وہ مجھ سے اس حق کا مطالبہ کرتے ہیں جسے خود انھوں نے ہی چھوڑ دیا، اور اس خون کا عوض چاہتے ہیں جسے خود انھوں نے ہی بہایا۔“

(نیچ البسلافہ جلد دوم ص ۲۶ مطبوعہ مصر)

امیر المؤمنین علیہ السلام کا ارشاد گرامی سب سے بڑا ثبوت ہے اس بات کا کہ طلحہ و زبیر مخالفین عثمان سے تھے اور ان کے خلاف محاذ قائم کرنے والوں کے لیڈر تھے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ لوگ عثمان کو یا تو معزول کر دیں یا قتل کر دیں اور خلافت ہمارے ہاتھ لگ جائے۔ اس نقطہ پر دونوں حضرات متحد تھے۔ چنانچہ جنگ جمل جاتے وقت مختلف مقامات پر انھوں نے اپنے باطنی خیالات کا اظہار بھی کر دیا تھا جیسا کہ تاریخ سے یہ امر اچھی طرح ثابت ہے۔

اُمُّ الْمُؤْمِنِينَ كِي مَخَالَفَتِ امْرِئِ الْمُؤْمِنِينَ  
امم المؤمنین حضرت عائشہ جناب امیر المؤمنین سے کیوں ناراض

تھیں؟ اس بات کی بہت سی وجوہات ہیں جن کا تفصیلی تذکرہ ہمارا موضوع بحث نہیں اور نہ ہی یہ مختصر تالیف ان تمام امور کی متحمل ہو سکتی ہے۔ تاہم انکشاف حقیقت کے لئے کچھ عرض کر دینا ہی مناسب ہے۔

ڈاکٹر طاہر حسین مصری لکھتے ہیں:-

”میرا اعتقاد یہ ہے کہ عائشہ دوسری ہی وجہ سے علیؑ سے متنفر“

تھیں۔ ایک بات تو ایسی ہے جس میں علیؑ کا کوئی اختیار نہیں، اور وہ یہ کہ علیؑ کی شادی دختر پیغمبرؐ فاطمہ زہرا سے ہوئی۔ اور خداوند عالم نے ان فاطمہ سے علیؑ کو حسن اور حسینؑ ایسے فرزند عنایت کئے۔ اس طرح علیؑ پیغمبرؐ کی باقی رہنے والی ذریت اور اولاد کے باپ ہوئے اور عائشہ کو رسول اللہؐ سے کوئی بچہ نہ ہوا۔ حالانکہ پیغمبرؐ کی آخری عمر میں ماریہ قبطیہ ماوراء النہدیم کے بطن سے بچہ ہو چکا تھا۔ پس یہی بانجھین ان کے لئے سوہان روح تھا۔ اور پیغمبرؐ کی سب سے زیادہ پیاری بیوی ہونے کے اولاد سے محروم رہیں۔ دوسری بات یہ کہ علیؑ نے اسماء خنسیہ زوجہ ابی بکر سے ان کے مرنے پر شادی کر لی۔ یہی اسماء مجتہدین ابو بکر کی ماں تھیں۔ وہ محمد جو علیؑ کی آغوش میں پلے بڑھے۔ پس ان تمام وجوہ و اسباب سے عائشہ علیؑ پر غضبناک تھیں۔“

(الفتنۃ الکبریٰ جلد دوم ص ۲۹)

امیر المؤمنین علیؑ علیہ السلام اور حضرت عائشہ کی مخالفت کی وجوہات پر سیر حاصل تبصرہ استاد عبدالفتاح عبدالقصور مصری نے نہایت شاندار الفاظ میں کیا ہے۔ فاضل مذکور کی تحقیقات سے ڈاکٹر طاہر حسین نے بھی استفادہ کیا ہے۔ چنانچہ ہم ایسے فاضل مورخ کے تبصرہ کو ”اموی دور خلافت“ کے جلیل القدر مؤلف کے اعتماد اور حوالہ سے ناظرین کی خدمت میں پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ فاضل مورخ لکھتے ہیں:

”سچی بات یہ ہے کہ آج کے دن عثمان کی حمایت کی ان کے پاس

کوئی متغول دلیل نہ تھی سوا علیؑ کی دشمنی و عداوت کے۔ یہ عداوت ہزاروں

دلیلوں کی ایک دلیل تھی۔ وہ ہمیشہ ہی ان سے ناراض رہیں، ان کے مشورہ

احساس میں علیؑ کی نفرت ہمیشہ جاگزیں رہی۔ وہ پہلے عورت تھیں بعد میں

عائشہ۔ ان کی خصلتیں بھی عورتوں جیسی تھیں اور طبیعت بھی عورت کی، ان کے



احساسات شعور کے تابع تھے اور جوش و ہيجان اندر ہی اندر برپا تھا، اور آپر انھیں کوئی قابو حاصل نہ تھا۔ وہ بہت پہلے ہی سے علی کی عداوت کیلئے میں سمیٹے بیٹھی تھیں۔ اس کے علاوہ حضرت عائشہ میں بھی رشک کا مادہ اسی طرح تھا جس طرح ہر عورت میں ہوتا ہے۔ ہر عورت ماں بننے کی تمنا و آرزو میں بے چین رہتی ہے، برابر اس لگی رہتی ہے کہ گود بہری ہو اور شوہر سے سسرال والوں سے ٹھغر و ٹی نصیب ہو۔ مگر قضا و قدر نے ان کے خوبصورت خوابوں کی تعبیر نہ دی جب تک ان کے شوہر زندہ رہے وہ بانجھ ہی رہیں۔ ان کے مقدر میں ہی نہ ہوا کہ زوجیت کو اولاد کے ذریعہ نبوت کے رشتہ سے استوار کر سکیں۔ کتنا کتنا انھوں نے چاہا کہ پیغمبرؐ کو ایک بچہ پیدا کر دیں جو ان کے خون اور پیغمبرؐ کے صلب سے ہو اور پیغمبرؐ کی پدرانہ محبت و عطوفت اسے نہال کیا کرے اور خود پوتے پڑوتوں میں مدتوں زندہ رہیں۔ لیکن اس نعمت سے وہ یکسر محروم رہیں اس محرومی نے انھیں انتہائی محزون بنا دیا۔ میرا خیال ہے کہ اس منزل پر ان کے شعور و احساسات حسرت کے مشابہ تھے۔ وہ اپنی آنکھیں اٹھا کر دیکھتیں تو انھیں نظر آتا کہ ان کے شوہر اپنی بیٹی کو محبتوں کا خزانہ دیئے دیتے ہیں، مگر اس کو کیا کیا جائے کہ یہ خصوصی نعمت خدیجہ کے نصیب ہوئی۔ وہ مرنے کے بعد بھی پیغمبرؐ کی ذریت میں قیامت تک زندہ رہیں خدیجہ پیغمبرؐ کی پہلی رفیقہ حیات جو چوتھائی صدی تک پیغمبرؐ کی شریک زندگی رہیں اس پورے عرصہ میں انھوں نے ایک مرتبہ بھی پیغمبرؐ کو ناراضی کا موقع نہ آنے دیا۔ پیغمبرؐ نے ان سے اس وقت شادی کی جب پیغمبرؐ کا غضوان شباب تھا۔ اور خدیجہ جوانی کی منزلیں طے کر کے بڑھا پیسے کی

حدوں سے قریب ہو رہی تھیں۔ مگر پیغمبر نے کسی دوسری بیوی کی ضرورت  
 محسوس نہ کی اور خدیجہ کے مرنے کے بعد بھی کوئی عورت پیغمبر کو اتنا  
 خوش نہ کر سکی جتنا خدیجہ نے کیا۔ خدیجہ نے ادھیر عمر ہونے کے باوجود  
 پیغمبر کی وہ محبت حاصل کر لی جو عائشہ نے کم سنی اور دشمنی کے باوجود  
 حاصل نہ کی۔ خدیجہ نے ادھیر عمر ہونے کے باوجود پیغمبر کو بچہ پیش کیا اور  
 عائشہ قاصر رہیں۔ خدیجہ مرنے کے بعد بھی پیغمبر کے دل کی گہرائیوں میں  
 متمکن رہیں۔ پیغمبر اٹھتے بیٹھتے عزت و احترام کے لفظوں سے خدیجہ کو  
 یاد کیا کرتے، عائشہ سنتیں اور محسوس کرتیں کہ خدیجہ دنیا میں نہ ہونے کے  
 باوجود ہمارے شوہر کی محبت کے بہت بڑے حصہ پر قابض ہیں۔ خود حضرت  
 عائشہ نے اپنے جذبات و خیالات کی ترجمانی کی ہے: ”ما عورت  
 علی احد من نساء النبی ما عورت علی خدیجتا“ (جتنا  
 میں نے خدیجہ پر رشک کیا اتنا پیغمبر کی کسی دوسری بیوی پر نہیں  
 حالانکہ خدیجہ کو میں نے دیکھا بھی نہیں تھا) تو خدیجہ مرنے کے بعد  
 بھی باقی تھیں۔ قلب و دماغ میں پیغمبر کے اسی طرح رچی بسی تھیں جس طرح  
 کل وہ پیغمبر کی دنیا میں تھیں۔ عائشہ ہمیشہ خدیجہ سے ہراساں رہیں سبب  
 سال گزرتے رہے مگر ان کے دل سے خوف نہ گیا، نہ ان کی سوکن خدیجہ  
 کی تصویر ان کی آنکھوں سے دور ہو سکی۔ زمانہ نے بھی خدیجہ ہی کا ساتھ دیا  
 اور انھیں مگر زندگی کی طرف پلٹا تا رہا اور ان کے نواسے نواسیوں کی  
 شکل میں اسی طرح دہرا کر لایا جیسا بیٹی کی شکل میں پہلی مرتبہ ہر اچکا تھا۔  
 یہ مختلف تصویریں حسن و حسین اور زینب و ام کلثوم کے روپ میں عائشہ  
 کے سامنے ہر روز آتیں اور ان کے گھر میں گھومتی پھرتیں اور ان کے کان

اور ان کی آنکھوں میں سما جاتیں۔ عائشہ کی نگاہیں جب پیغمبر پر پڑتی ہوں گی وہ پیغمبر کو اپنے نواسے کے ساتھ کھیلتے۔ ان کے ساتھ پیغمبر کی وہ بھرپور چاہت وہ فریفتگی دیکھتی ہوں گی تو کون بتا سکتا ہے کہ ان کے دل پر کیا گزرتی ہوگی۔ اللہ ہی جانے ان کا وہی سوتا پاؤں اور خدیجہ سے ان کی جلن آج کے دن خدیجہ کے چہیتوں کے لئے جاگ اٹھی تھی یا اولاد سے محرومی کی حسرت اس نوبت کو پہنچ گئی تھی یا یہ علی کی دشمنی تھی وہ علی کہیں انہی سے ان کے شوہر محمد مصطفیٰ کی نسل ہمیشہ کے لئے باقی رہی۔“

(الامام علی ابن ابیطالب۔ جلد دوم مطبوعہ مصر دوسرا ایڈیشن۔ ماخوذ اموی دور خلافت ۲۵۵ھ طبع ۱۹۸۱ء)

یہ تمام وجوہات مخالفت کی ایسی تھیں جو فطراناً صنفِ نازک میں اغلباً پائی جاتی ہیں۔ الایہ کہ کسی خاص شخصیت میں عصمت ان جذبات و احساسات سے مانع ہو۔ ام المؤمنین علی اور اہل بیت سے یہ مخالفت زمانہ رسالت سے ہی شہرت پا چکی تھی۔ مورخین کا بیان ہے کہ وہ اسی فطری کسک کی بنا پر علی کا نام تک لینا بھی گوارا نہیں کرتی تھیں۔ پیغمبر اسلام کے بعد مسندِ اقتدار کے فیصلہ میں اس محترمہ خاتون کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ میرے خیال میں عائشہ پیغمبر کی زوجہ نہ ہوتیں تو امیدوارانِ خلافت کے سقیفہ کے روز کی کامیابی ناممکن ہو جاتی۔ پیغمبر اسلام کے آخری وقت میں امامتِ نماز کا قضیہ اور اس کے بعد جیشِ اسامہ کی روانگی میں رکاوٹ ڈالنے کا کارنامہ حضرت عائشہ ہی کا مرہونِ منت ہے وفاتِ رسول کے بعد روضہ رسول میں شہین کا دفن ہو جانا اور پیغمبر کی اکلوتی بیٹی اور محبوب نواسے جناب حسن کا اپنے پہلو سے دور ہو جانا حضرت عائشہ ہی کے اثر و اقتدار کا نتیجہ تھا۔ اور تمام مقامات میں خاندانِ رسالت کے ساتھ ایسی عداوت کے جذبات کا فرما رہے جو وہ شروع سے ہی اپنے دل میں لئے ہوئے تھیں۔ اس پرستیزانہ یہ ہوا کہ مسندِ اقتدار و حکومت عائشہ کے باپ کو حاصل ہو گئی۔ اور اس حکومت کے حزب

مخالف یعنی علیؑ اور ان کے اہل بیت نے کبھی بھی اس اقتدار کے سامنے تسلیم نہ کیا۔

استاد عبد الصالح اور ڈاکٹر طرہ حسین کے بیانات کے مطابق یہ مخالفتیں تو حضرت عائشہ کے دل میں پہلے سے جاگزیں تھیں۔ ان پر زیادتی یہ ہوئی کہ حضرت عثمان کے قتل ہونے کے بعد وہ جو چاہتی تھیں وہ نہ ہوا اور خلافت اسی علیؑ کے پاس

پہنچ گئی۔ ان تمام مخالفتوں کو دل میں رکھ کر حضرت عائشہ حج کے بہانہ سے حضرت عثمان کو محاصرہ ہی میں چھوڑ کر اور پبلک کو ان کے خلاف مشتعل کر کے مکہ کی جانب چلی گئیں۔ اور راستہ میں جناب طلحہ کی خلافت کے اشارے لوگوں کے سامنے کرتی

رہیں۔ مگر تھوڑی دور جا کر جب یہ خبر ملی کہ عثمان قتل ہو گئے اور ہاجرین و انصار نے علیؑ کو خلیفہ چن لیا ہے تو آپ کی تمام امیدیں خاک میں مل گئیں۔ اور اب بجائے اظہارِ مسرت کے ٹھنڈی سانس لینی شروع کر دیں۔ قیس بن حازم بیان کرتا ہے:

”جب ام المؤمنین نے اس خبر وحشت انگیز کو سنا تو کہنے لگیں کہ

کاش! بیز میں آسمان بھٹ پڑتے۔ پھر آپ نے اپنی سواری کو مکہ پلٹنے

کا حکم دیا۔ میں نے تمام راستہ میں ان کو دیکھا کہ وہ بار بار اپنے نفس سے

یوں مخاطب ہوتیں ”قتلوا ابن عفان“ (لوگوں نے عثمان کو مظلوم

قتل کیا) میں نے عرض کیا، اے مادرِ گرامی قدر! ابھی ابھی میں نے

آپ سے یہ سنا کہ خدا عثمان کو غارت کرے۔ یہ بھی دیکھ چکا ہوں کہ

آپ سب سے زیادہ عثمان کی دشمن تھیں۔ عائشہ نے کہا کہ ہاں بات

تو ایسی ہی ہے۔ مگر میں نے اس کے بعد اس معاملہ میں غور کیا تو اس

نتیجہ پر پہنچی کہ لوگوں نے ان سے توبہ کرائی اور جب وہ مثل چاندی کے

صاف ہو چکے تو لوگوں نے انھیں قتل کر ڈالا۔“

اسی دوران میں قتل عثمان کے موضوع پر عبد بن کلاب اور ام المؤمنین حضرت عائشہ کا جو مکالمہ ہوا اس کو مورخ طبری نے تفصیلاً درج کیا ہے۔ ہم ابن کلاب کے چند شعروں کا ترجمہ پیش کرتے ہیں۔ ابن کلاب ام المؤمنین کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں:-

” اے باوصیا میں ہمہ آوردہ تست۔ آپ ہی نے حضرت عثمان کے قتل کا حکم دیا اور آپ ہی نے ان کے خلاف ایسے ایسے فتوے صادر کئے ہم نے آپ کی اطاعت کی اور انھیں مار ڈالا۔ ہمارے نزدیک عثمان کا قاتل وہی ہے جس نے ان کے قتل کا حکم دیا۔“

(طبری جلد ۳ ص ۲۷۷ مطبوعہ لیدن)

مختصر یہ کہ مورخین نے جو بیانات طلحہ وزبیر اور ام المؤمنین کے متعلق تحریر کئے ہیں ان سے ان تینوں بزرگوں کے قلبی تاثرات کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ حضرات طلب خلافت اور حضرت علی سے پرانی عداوت کے سبب سے حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کے خلاف آمادہ پیکار ہوئے۔ مفتی دیار مصر علامہ محمد عبدہ شاح نج البلاغۃ کا بیان ہے:-

” جب طلحہ وزبیر علی ابن ابیطالب کی بیعت کر چکے تو آپ کو مدینہ چھوڑا اور خود دونوں مکہ روانہ ہو گئے، اس حال میں کہ دونوں غصہ سے بھرے ہوئے تھے۔ یہاں آکر حضرت عائشہ سے ملاقات کی انھوں نے ان سے واقعات پوچھے اور طلحہ وزبیر نے سب واقعہ بیان کیا کہ اب اہل مدینہ اس حال میں ہیں کہ نہ حق کو پہچانتے ہیں نہ باطل کا انکار کرتے ہیں حضرت عائشہ نے کہا کہ ہمیں ان لوگوں کی جانب متوجہ ہونا چاہیے۔ ایک شخص نے جواب دیا جو اس مجمع میں موجود تھا کہ شام میں تو معاویہ موجود ہیں اور وہ وہاں کا کام سنبھالے رہیں گے، لہذا شام جانے کی ضرورت نہیں بصرہ چلئے، اور بصرہ والے طلحہ کو چاہتے بھی ہیں کہ وہ خلیفہ و امیر

ہوں۔ چنانچہ ان سب نے بصرہ کا قصد کیا اور علی بن منبہ نے سامان سفر میں  
مدد دی اور تمام چیزیں مہیا کیں، اور ایک اونٹ جس کا نام عسکر تھا حضرت  
عائشہ کی سواری کے لئے فراہم کر کے دیا۔ یہ علی بن منبہ حضرت عثمان کی  
طرف سے یمن پر والی مقرر ہوئے تھے اور امیر المؤمنین علی ابن ابیطالب نے  
ان کو معزول کر دیا تھا۔ چنانچہ تین ہزار آدمیوں کو لیکر حضرت عائشہ نے یہاں  
سے کوچ کیا۔ جب یہ خبر امیر المؤمنین کو معلوم ہوئی تو آپ نے سمجھانے کھانے  
اور پند و نصیحت کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا۔ مگر کوئی نصیحت  
کار گرنہ ہو سکی۔ جب آپ مجبور ہو گئے تو آپ نے بھی جنگ کی تیاری کی اور  
مقام بصرہ میں دونوں لشکروں کا آئنا سامنا ہوا۔ پھر بھی ایک مدت تک  
امیر المؤمنین جنگ کو ہاتھ دے رہے اور آخر کار میدان جنگ میں جنگ کے شعلے  
بھڑکنے لگے۔ یہی اونٹ جس پر حضرت عائشہ سوار تھیں اس وقت بصرہ  
والوں کا رہنا تھا۔ اس کے گرد ہزاروں آدمی قتل ہو گئے۔ ستر قریشیوں  
نے اس اونٹ کی نگیل جنگ میں تھامی اور سب کے سب قتل ہو گئے  
آخر کار امیر المؤمنین کو فتح ہوئی اور حضرت عائشہ کے لشکر کو شکست فاش  
اٹھانا پڑی اونٹ پے کر دیا گیا اور لوگ بھاگ گئے۔ اس واقعہ میں طلحہ و  
زبیر بھی کام آگئے۔ حضرت عائشہ کے لشکر سے ستر ہزار آدمی قتل ہوئے  
اور امیر المؤمنین کی فوج سے ایک ہزار آدمی شہید ہوئے۔

ابن ابی الحدید کا بیان ہے کہ مورخین نے جنگ جمل کے جو مناظر  
پیش کئے ہیں وہ ایسے ہیں کہ ان سے رُونگے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اقدی  
نے اس باب کو بہت ہی شرح و بسط سے لکھا ہے جس قدر جمل کے اشعار  
اس جنگ میں پڑھے گئے اتنے کسی دوسری جنگ میں نہیں سنائی دیتے۔

علامہ مفتی محمد عبیدہ و ابن ابی الحدید معتزلی وغیرہ شارحین نہج البلاغۃ اور دوسرے  
 ارباب سیر و رجال کے متفقہ بیان سے پتہ چلتا ہے کہ خروج کرنے والوں نے کسی مقام  
 پر بھی اپنے ارادوں کو ملتوی نہیں کیا بلکہ جس جوش و خروش سے میدان جنگ میں آئے  
 تھے آخر دم تک باوجود اس کے کہ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام اپنی اطاعت کی طرف  
 دعوت دیتے رہے برسرِ پیکار رہے۔ رہا امیر المؤمنین کا ذاتی موقف اس جنگ کے متعلق  
 تو وہ صاف ظاہر ہے کہ وہ امام وقت ہونے کی حیثیت سے اپنے شرعی نقطہ نظر پر وقت  
 بیان فرماتے رہے اور مخالفین کے استدلالات کو خود انہی کے مسلمات سے رد فرماتے  
 رہے۔ امیر المؤمنین نے کسی موقعہ پر بھی یہ افسوس ظاہر نہیں کیا کہ وہ باغیوں سے جنگ  
 کرنے میں غلط کار ہیں۔ بلکہ ہر وقت مستعد ہی نظر آئے۔ مورخین جو ان فتنہ و فساد کے  
 واقعات کو ابن سبا اور سبائین کے سر تھوپنے کی کوشش کرتے ہیں یہ ان کی انتہائی  
 جسارت اور سینہ زوری ہے۔ کیونکہ جب ہم امیر المؤمنین کے تاثرات کو تاریخ اور خود  
 انہی کے خطبات مندرجہ نہج البلاغۃ کو سامنے رکھ کر دیکھتے ہیں تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی  
 ہے کہ کہیں بھی کسی مقام پر جناب امیر المؤمنین نے اس بات کا افسوس ظاہر نہیں کیا کہ ترہ  
 اٹھارہ ہزار مسلمانوں کا خون ان سبائیوں نے ہم سے یونہی کروا دیا۔ یا اس کے برعکس  
 فریق مخالف نے ان الزامات کو ابن سبا اور اس کے پیلوں کے سر تھوپا ہو۔  
 شارحین نہج البلاغۃ کا بیان ہے کہ جب امام حسن علیہ السلام نے امیر المؤمنین کو  
 جنگِ جمل سے مصالحتاً روکنا چاہا تو آپ نے واشکاف الفاظ میں اپنے پختہ ارادہ کا یوں  
 اظہار فرمایا۔

”خدا کی قسم اب میں بچو کی طرح نہیں رہ سکتا، جس کا بھٹ تھپتھپایا  
 جاتا ہے کہ وہ سو جائے۔ یہاں تک کہ شکاری پہنچے اور اُسے دھوکا دیکر  
 پکڑے، بلکہ اب تو میں اہل حق اور راستی کو ساتھ لیکر ان لوگوں سے

جو حق سے روگرداں ہو چکے ہیں مقابلہ کروں گا۔ فرمانبرداروں کے جلو میں  
سے کشوں سے جوتنگ و ریب میں مبتلا ہیں جنگ کروں گا۔ یہاں تک کہ  
میری زندگی ختم ہو جائے۔ خدا کی قسم! جب سے رسول اکرمؐ نے اس دنیا  
سے پردہ کیا ہے میں برابر اپنے حق سے محروم کیا جاتا رہا ہوں۔ مجھ پر دوسرے  
لوگوں کو ترجیح دی جاتی رہی ہے۔ یہاں تک کہ آج (جمل) کا یہ دن پیش  
آگیا اور لوگ آمادہ پیکار نظر آ رہے ہیں۔“

(نہج البلاغہ مترجم حصہ اول ص ۱۲۵) رئیس احمد جعفری لاہور

علامہ طبری نے اپنی تاریخ جلد پنجم صفحہ ۱۷۱ میں یہ لکھا ہے کہ:-  
”یہ خطبہ حضرت امیر المؤمنینؑ کا ہے، اور اس وقت فرمایا جب امام حسنؑ  
نے اپنے باپ کی حالت پر گریہ کیا اور جنگ کرنے سے روکا۔ چنانچہ مقام  
ذبی قار میں جب پہنچے تو حضرت نے مجمع اصحاب میں فرمایا کہ تم لوگوں نے دیکھ  
لیا کہ ان لوگوں (طلحہ و زبیر و عائشہ وغیرہ) نے کیا کیا۔ امام حسنؑ اٹھ کھڑے  
ہوئے اور رونے لگے۔ امیر المؤمنینؑ نے فرمایا کہ تم لڑکیوں کی طرح روتے  
کیوں ہو؟ عرض کی کہ میں نے خدمت میں کچھ عرض کیا وہ آپ نے قبول  
نہیں فرمایا اور آپ آج بغیر یار و مددگار کے قتل کر دیئے جائیں گے اسی پر  
روتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اچھا ان لوگوں کے سامنے بیان کرو کہ تم نے  
مجھ سے کیا کہا تھا۔ عرض کیا کہ میں نے یہ کہا تھا کہ آپ کی بیعت پر لوگ  
اگرچہ بعد قتل عثمان مجبور کر رہے ہیں مگر آپ اپنا ہاتھ نہ بڑھائیے۔ دوسری  
بات یہ عرض کی تھی کہ جب یہ عورت (عائشہ) گھر سے نکلی تھی تو میں نے  
کہا تھا کہ آپ مدینہ نہ چھوڑیے اور ان کو نکل جانے دیجئے۔ امیر المؤمنینؑ  
نے فرمایا بیٹا تم سچ کہتے ہو، تم نے یہ باتیں ضرور کہی تھیں مگر خدا کی قسم!



بٹیا اب میں اُس بچو کی طرح سادہ لوح نہ بنونگا جو صیاد کے فریب میں آجاتا ہے اور کھٹکھٹانے پر سو جاتا ہے۔“

طبری اور نہج البلاغۃ کے مندرجات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت امیر المؤمنین سابقہ خلافتوں کے دور سے بھی اپنی محرومی کا شکوہ کر رہے ہیں جبکہ وہ مصلحت اور بمقتضائے وصیتِ رسولِ خاموشی اختیار کر چکے تھے۔ مگر اس وقت کے حالات کے اعتبار سے اور ظاہری اعوان و انصار کی موجودگی میں خاموش رہنا اور باغیوں کو کھٹلا چھوڑ دینا قرینِ صواب نہیں سمجھتے تھے۔ جنگِ جمل کے حزبِ مخالف کے ساتھ جنگ کرنے کے سلسلہ میں حضرت کی عزیمت اور استقلال اس قدر ترقی پر تھا کہ باوجود اپنے فرزند کے منع کرنے سے بھی نہ رُکے۔

معلوم ہوتا ہے کہ ناکثینِ بیعت اور قاسطین و مارقین کے ساتھ حضرت امیر المؤمنین مامورین اللہ و الرسولؐ تھے۔ اور یہی جواز ان کو آخر دم تک جنگ سے نہ روک سکا۔ مگر صادقؑ نے حضرت امیر المؤمنین کو فرمایا تھا کہ:-

”یا علی انک تقاتل علی تاویل القرآن کما قاتلت علی تنزیلہ“

داے علی تو تاویلِ قرآن پر جنگ کرے گا جس طرح کہ میں تنزیلِ قرآن

پر لڑا ہوں۔ (صواعقِ محرقة ص ۷۲ مصر)

جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں:-

”مجھے تین قسم کے لوگوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے

ایک ناکثین جنہوں نے بیعت کر کے نکتِ عہد کیا، یعنی اصحابِ جمل،

دوسرے قاسطین، یعنی اہلِ صفین، تیسرے مارقین یعنی اہلِ نہروان۔“

(نہایہ ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۸۴ مطبوعہ مصر لنت نکت)

یہ چند ایک روایتِ قطع نظر سیاسی حالات کے مذہبی نقطہ نظر سے ہم نے پیش

کر کے ثابت کرنا چاہا ہے کہ جناب امیر علیہ السلام شرعی حیثیت سے بھی خدا و رسول  
 کی طرف سے ام المؤمنین، طلحہ وزبیر وغیر ہم سے جنگ کرنے پر نامور تھے۔ نہ تو امیر  
 المؤمنین کے سیاسی اقتدار پر سبائی غالب تھے اور نہ ہی ان کا وجود جنگِ جمل کے موقعہ  
 پر کسی فرق میں نظر آتا ہے۔ سب بنا بنایا کھیل ہے اور اصحاب رسول کے متعلق  
 بدگمانی کا نتیجہ۔ مورخین نے محض اپنے ذہنی مخالفین کو نبج کرنے کی ناکام کوشش  
 کی ہے۔ مورخین کے بیان کے مطابق اگر کوئی ابنِ سبأ تھا اور اس کی باطنی خیانتوں  
 کی وجہ سے جنگِ جمل کا ظہور ہوا تو یہ مورخین جنگِ جمل پر ہی ابنِ سبأ کے تذکرہ کو یوں  
 ختم کر دیتے ہیں۔ حالانکہ صفین کے موقعہ پر جب فریقین صلح کر رہے تھے تو وہاں نسبت  
 جمل کے میدان کے سبائیوں کو اس سے بھی زیادہ پارٹ ادا کرنا چاہیے تھا جتنا کہ  
 صفین کے موقعہ پر جنگ کے حالات لکھتے ہوئے ان مورخین نے بالکل خاموشی  
 اختیار کی ہے۔ جنگِ جمل کے بعد سبائی گروہ کہاں گیا؟ اس بات کا کوئی ثبوت  
 نہیں ملتا، کیا ارباب بصیرت یہ سمجھنے پر مجبور نہ ہوں گے کہ ابنِ سبأ کی داستان  
 الف لیلة کی کہانی سے ملتی جلتی ہے۔ چنانچہ اس موقعہ پر ڈاکٹر طاہر حسین مصری اس  
 خیال کو مد نظر رکھتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”جنگِ صفین میں سبائیوں اور ابنِ سبأ کے ذکر سے مورخین نے  
 جو اعراض کیا ہے اُس سے کم سے کم یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ ابنِ سبأ  
 بالکل فرضی اور من گھڑت چیز ہے، اور جب فرقہ شیعہ اور دیگر اسلامی فرقوں  
 میں جھگڑے چل رہے تھے اُس وقت اسے جنم دیا گیا۔ شیعوں کے دشمنوں  
 کا اشارہ یہ تھا کہ شیعوں کے اصول مذہب میں یہودی عنصر داخل کر دیا جائے  
 یہ سب کچھ بڑی چال بازی اور دکر و فریب کی صورتیں تھیں جن میں شیعوں کو نبج کرنے  
 کے لئے۔ ورنہ اگر ابنِ سبأ کا معاملہ کسی صحیح بنیاد پر مبنی ہوتا اور معتبر تاریخ

سے اس کا پتہ چلتا ہوتا تو لازمی طور پر اس فرقہ کا اثر و نشان اور اس کا مکرو فریب جنگِ صفین میں بھی ضرور ظاہر ہوتا۔ خصوصاً جبکہ حکیم کے سلسلہ میں صحابِ علیؑ میں اختلاف رونما ہوا، اُس وقت بھی اس فرقہ کا وجود فطری طور پر ہونا چاہیے تھا۔ لیکن ہم عوارج کے معاملہ میں بھی ابنِ سببار کا کوئی وجود نہیں پاتے۔ اس موقع پر تمام تاریخیں خاموش ہیں۔

اس خاموشی کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ اور واقعہ صفین اور فرقہ خوارج کے موقع پر سیائین کے غائب ہونے کی کیا توجیہ بیان کی جا سکتی ہے؟ ہم تو صرف بس ایک ہی نتیجہ پہنچتے ہیں اور وہ یہ کہ ابنِ سببار محض وہی چیز ہی تھے۔

(الفتنۃ الکبریٰ جلد دوم صفحہ ۹۵ مطبوعہ مصر)

## واقعات کی سبب کے نتائج

جنگِ جمل اور اس کے علل و اسبابِ اثنیہ پر تبصرہ کرتے ہوئے ہم نے ذرا طوالت سے کام لیا ہے۔ جس سے قارئین کو ضرور گرانی محسوس ہوئی ہوگی۔ مگر کیا کیا جائے، ہم جنگِ جمل کے واقعات اور اسباب پر تاریخی تجزیہ کرنے کے لئے مجبور تھے اور بغیر اس کے چارہ نہ تھا۔ کیونکہ مورخین و مصنفین کے عائد کردہ الزامات کی تردید کرنے کے بعد یہ بات ضروری تھی کہ ہم محققانہ نقد و نظر سے ثابت کر دیتے کہ:-

① — طلحہ وزیر حضرت امیر المؤمنین علیؑ کے پہلے سے ہی مخالف تھے اور اسکے علاوہ حصولِ خلافت کے لئے بھی کوشاں تھے۔ اسی واسطے انھوں نے حضرت عثمان کے خلاف جدوجہد کی اور آخر کار خلیفہ وقت کو قتل کر کے دم لیا اور یہی جذبات ان کو کشان کشان جمل کے محاذِ جنگ پر لائے، بالآخر اسی میدان میں کام آئے۔

② — اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ اپنی سابقہ عداوتوں کے باعث جو وہ اپنے دل میں

رکھے ہوئے تھیں حضرت علیؑ کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئیں، اور باوجود اس کے کہ "قرن فی بیوتکن" کے حکم کے تحت ان کو گھڑی میں رہنا چاہیے تھا۔ وہ امام وقت سے برسرِ پیکار ہوئیں۔

③ — طلحہ وزیر اور ام المومنین وغیرہ اصحابِ جمیل کو معاویہ بن ابوسفیان نے بھی کفر شہ دی تھی کہ وہ علیؑ کے خلاف محاذِ جنگ قائم کریں۔ کیونکہ اُس کا مقصد یہ تھا کہ جنگ کی صورت میں دونوں فریق کمزور ہو جائیں گے اور بعد میں میں آسانی سے حکومتِ اسلامیہ کو ہتھیالوں نگا۔ چنانچہ وہ اسی واسطے جنگِ جمل سے کنارہ کش رہے۔

④ — حضرت امیر المومنینؑ نے فتنہ و فساد کو فرو کرنے کے لئے ہر چند فریقِ مخالف کو سمجھایا اور اپنی اطاعت کی طرف دعوت دی۔ مگر وہ نہ مانے۔ آخر کار ناکتین بیعت سے جنگ کرنے پر مامور ہونے کی حیثیت سے قتال کیا اور نہایت استقلال سے آخرِ دم تک لڑتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مخالفین کی غلط کاریوں کی وجہ سے سترہ اٹھارہ ہزار مسلمان موت کے گھاٹ اتر گئے۔ جن کی تمام تر ذمہ داری اصحابِ جمیل پر ہی عائد ہوتی ہے۔

⑤ — معلوم ہوا کہ ابنِ سبار اور سبائین کا گروہ مورخین کا خیالی ہیرو ہے، ورنہ اگر اس کی کوئی حقیقت ہوتی تو ڈاکٹرِ طرہ حسین کے بیان کے مطابق ان کا وجود قدرتی طور پر صفین و نہروان کے موقعہ پر ضرور اپنے اثر و نشان دکھاتا۔

## ڈاکٹر طاہر حسین مصری کا تعارف

ڈاکٹر طاہر حسین دنیائے عرب کے مایہ ناز ادیب اور بلند پایہ مفکر قسائم کئے گئے ہیں۔ علمی دنیا میں ان کی تحقیقات قابلِ سند سمجھی جاتی ہیں۔ اور آج کل تمام عالمِ اسلامی میں ان کو صاحبِ طرز ادیب اور ماہر نقاد مانا گیا ہے۔ ان کی تمام تحریریں زبان کی صحت۔ تعبیر پر قدرت اور فنکارانہ مہارت کی آئینہ دار ہیں۔ فاضل موصوف کا اپنا ایک نرالا انداز ہے جس میں بڑی کشش اور دلنغز ہی پائی جاتی ہے۔ خصوصاً تاریخی واقعات کو افسانوی رنگ میں بیان کرنا ان کا طرہ امتیاز ہے۔ تاریخی و علمی موضوعات کی بحث کے نازک موقعوں پر ان کا شہسبِ تسلیم بڑی چابکدستی اور خوش اسلوبی سے چلتا ہے۔ حقیقت ہے کہ جدید عربی ادب پر ان کی تصنیفات دنیائے عرب میں ایک خاص اہمیت رکھتی ہیں، اور اس وقت دنیائے عرب میں ان کا ثانی نہیں مل سکتا۔ عربی شعر و ادب۔ عرب شعرا اور تاریخ و تمدن کے بہت سے مسائل پر ان کی گرانقدر تصنیفات نے تمام عرب ممالک میں ان کو غیر معمولی شہرت اور نمایاں امتیاز کا مالک بنا دیا ہے۔ ہر سال ایک آٹھ تصنیف ضرور لکھتے ہیں، اور یہ تصنیفات دنیائے اسلام میں نہایت ذوق و شوق سے پڑھی جاتی ہیں۔ اور وہ کوئی تین تین کے لگ بھگ ہیں۔

ان کی چند ایک مشہور تصانیف یہ ہیں :-

- ۱۔ تجدیدِ زکریٰ ابی العلامعری، ۲۔ فلسفہ ابن خلدون، ۳۔ فی الادب الجاہلی، ۴۔ حدیث الاربعاء، ۵۔ علی ہامش الیرة، ۶۔ الایام، ۷۔ مع المتنبی، ۸۔ مع ابی العلامی سبحنہ، ۹۔ قادیة الفکر، ۱۰۔ الوعد الحق، ۱۱۔ الآداب
- ۱۲۔ من الادب التمثیلی الیونانی، ۱۳۔ رُوح التزبیہ، ۱۴۔ حفاظہ و شلوقی
- ۱۵۔ مستقبل الثقافة فی مصر، ۱۶۔ فصول فی الادب والنقد، ۱۷۔ المعذبون

فی الارض، ۱۸۔ الفتنۃ الکبریٰ جلد اول حالات عثمان جلد دوم علی بنوہ“  
 اسلامی تاریخ کے موضوع پر مؤخر الذکر کتاب خاص طور پر مشہور ہے اور نہایت غیر جانبدارانہ  
 طور پر لکھی گئی ہے۔ اس کتاب کا فارسی ترجمہ ایران میں چھپ چکا ہے، اور اردو ترجمہ بھی  
 حیدرآباد (انڈیا) میں ہو چکا ہے۔ جلد اول (عثمان) کا ترجمہ اردو ادارہ طلوع اسلام  
 کے اہتمام سے پاکستان میں بھی اشاعت پذیر ہو چکا ہے۔ اس کتاب کے مقدمہ میں  
 خود مصنف کا اپنا بیان یہ ہے :-

”میری دلی خواہش ہے کہ اس بحث میں حتی الامکان حق اور صرف

حق کو ملحوظ رکھوں اور جہاں تک بس چلے راستی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑوں

اس معاملہ میں اپنے آپ کو حادۃ انصاف کا پابند رکھوں اور اس سے ایک

انچ بھی ادھر ادھر نہ مٹوں۔ میری پوری کوشش ہوگی کہ حضرت عثمان

کے بارے میں مسلمانوں کی مختلف لڑنے والی جماعتوں میں

سے کسی کی طرفاری و حمایت نہ کروں۔ میں نہ پرستار عثمان ہوں نہ شیعہ علی

نہ اس قضیہ میں میرا انداز فکر حضرت عثمان کے ان مہمکروں کی طرح ہے جنہوں

نے حضرت عثمان کے ساتھ اس جھگڑے کی مشکلات برداشت کی تھیں اور

پھر ان کے دوش بدوش یا ان کی وفات کے بعد اس کے عواقب کا

بار اٹھایا تھا۔..... میں اس قضیہ کو ہر قسم کے جذبات احساسات

سے الگ ہوتے ہوئے دین و ایمان سے بالاتر ہو کر محض ایک ایسے

موضوع کی نظر سے دیکھنا چاہتا ہوں جو جملہ میلانات و عواطف اور اغراض

خواہشات سے پوری طرح مبرا و منزہ ہو۔ خواہ ان کے مظاہر و مصداق

اور غایات کتنے ہی مختلف کیوں نہ ہوں۔“

(الفتنۃ الکبریٰ جلد اول اردو ص ۱۱ مطبوعہ لاہور)

اس میں شک نہیں کہ فاضل مصنف نے اپنے بیان اور دعویٰ کے مطابق اکثر مقامات پر حق کا ساتھ دیا ہے اور نہایت بے لاگ ہو کر کسی کی بلند شخصیت سے بھنی بے پروا ہو کر واقعات اور اختلافات کے پس منظر کو منصفانہ شہود پر لانے کی کوشش کی ہے۔ ہم ان کے اس عظیم کارنامہ کو وقعت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور مسلمانوں کو اس کتاب کے پڑھنے کی دعوت دیتے ہیں تاکہ وہ دیکھیں کہ عرب ممالک کے نئے مفکر کس طرح تعصب سے بالاتر ہو کر سوچتے اور لکھتے ہیں۔

چونکہ ہم نے اپنی تالیف میں اکثر و بیشتر مقامات پر اسی فتنۃ الکبریٰ اور فاضل موصوف کی دیگر تحقیقات کو پیش نظر رکھا ہے، اس لئے ہم نے قبل اس کے کہ عبداللہ بن سبار کے بارے میں ڈاکٹر طاہر حسین کی تحقیقات جدیدہ کو پیش کریں مناسب خیال کیا کہ ان کا علمی تعارف اور ان کی اس عظیم القدر علمی تصنیف یعنی الفتنۃ الکبریٰ کے متعلق اپنے ناظرین کو روشناس کرائیں تاکہ یہ بات واضح ہو سکے کہ ڈاکٹر موصوف کے افادات کیا حیثیت رکھتے ہیں، اور کیا انھیں بطور حجت یا سند پیش کیا جاسکتا ہے؟

**ڈاکٹر طاہر حسین اور ابن سبار** حضرت عثمان کے زمانہ کے سیاسی حالات پر پیش کیا ہے۔ جس میں ابن سبار کے وجود و عدم وجود پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اور تاریخ و درایت کے اصولوں کے ماتحت یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ابن سبار ایک دہی اور فرضی شخصیت ہے۔ اور اس کے متعلق خیالی داستان کو محض اس لئے بنالیا گیا ہے کہ حضرت عثمان اور ان کے عمال کے غلط کارناموں پر پر وہ ڈالا جاسکے، اور شیعوں کے مذہب میں یہودی عنصر کو داخل کر دیا جائے۔

میرے خیال میں فقط ڈاکٹر موصوف ہی پہلی شخصیت ہے جس نے تمام شیعہ و

سنی محققین سے قبل اس مفروضہ استان کے پس منظر کو گھلے بندوں تحریر کیا ہے۔ اس ضمن میں انھوں نے اپنی شہرہ آفاق کتاب القنتہ الکبریٰ کی پہلی جلد جو حالات عثمان پر مشتمل ہے میں ابن سبار کے وجود کو قدسے شکوک کی نظر سے دیکھا ہے۔ مگر دوسری جلد "علیٰ ونبوہ" میں مستقل طور پر اور نہایت پختگی اور کامل یقین کے ساتھ ابن سبار اور سبائین کے وجود کو تاریخ و درایت کی روشنی میں کالعدم قرار دیا ہے۔ چنانچہ اس ذیل میں ان کا اپنا بیان ملاحظہ ہو:-

"جنگ صفین میں سبائیوں اور ابن سبار کے ذکر سے مورخین نے جو خاموشی اختیار کی ہے اس سے کم از کم یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ ابن سبار بالکل فرضی اور من گھڑت چیز ہے۔ جب شیعہ فرقہ اور دیگر اسلامی فرقوں میں تنازعات شروع تھے تو اس وقت اس کی تخلیق کی گئی۔ شیعوں کے مخالفین کا مطلب یہ تھا کہ شیعیت کے اصول و مذہب میں یہودیت کا عنصر داخل کر دیا جائے۔ یہ سب کچھ بڑی زبردست چالاکی۔ چالبازی اور مکر و فریب کی صورتیں تھیں محض شیعوں کو تنگ اور ذلیل کرنے کے لئے۔ ورنہ اگر ابن سبار کا معاملہ کسی صحیح بنیاد پر قائم ہوتا اور معتبر تاریخ سے اس کا پتہ چلتا تو ضروری تھا کہ اس فرقہ کا اثر و نشان اور اس کا مکر و فریب جنگ صفین میں بھی ظاہر ہوتا۔ خصوصاً معاملہ حکیم کے موقعہ پر جب اصحاب علیؑ میں اختلاف رونما ہوا اس وقت بھی فطری طور پر اس فرقہ کا وجود ہونا چاہیے تھا۔ لیکن ہم خواجہ کے معاملہ میں بھی ابن سبار کا کوئی وجود نہیں پاتے۔ تمام تاریخیں اس موقعہ پر اسکے ذکر سے خاموش ہیں۔ اس خاموشی کی کیا توجیہ کی جاسکتی ہے اور واقعہ صفین اور فرقہ خوارج کے موقعہ پر ابن سبار کے غائب ہونے کی



کیا وجہ بیان کی جاسکتی ہے؟۔

ہم تو صرف ایک ہی نتیجہ پر پہنچے ہیں اور وہ یہ کہ ابن سبار محض وہی چیز ہے۔ اور اگر بالفرض اس نام کا کوئی شخص موجود بھی رہا ہو تو اسے ایسی اہمیت ہرگز نہ حاصل تھی جیسا کہ مورخین نے تصویر کشی کی ہے۔ مورخین قتل عثمان اور حضرت علیؑ کی خلافت کے پہلے سال میں تو اس کا تذکرہ کرتے ہیں مگر بعد میں بالکل کامل سکوت نظر آتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ابن سبار ایک ڈروانی چیز ہے، جسے شیعوں کے دشمنوں نے محض شیعوں کو بچ کرنے کے لئے تلاش کیا، اور خواجہ کیلئے نہیں کیونکہ خواجہ تو مسلمانوں کی جماعت میں داخل ہی نہ تھے اور نہ انہیں کوئی خلافت و سلطنت سے غرض تھی، وہ تو ایسی قوم تھے جو ہر خلافت پر غضبناک اور ہر حکومت کے باغی رہے، اور جتنی انہیں گنجائش نصیب ہوتی وہ خلفاء و سلاطین سے برسہا برسہا پیکار رہتے، اور بعد میں تو ان کی کوئی اہمیت ہی نہ رہی۔ بنو امیہ کے ختم ہوتے ہوتے وہ بھی برائے نام باقی رہ گئے اور بعد میں بنو عباس کے دور میں تو وہ بالکل کمزور پڑ گئے۔ اب صرف متکلمین کی کتابوں میں ان کا وجود باقی ہے۔ لہذا وہ خواجہ بہر حال ایسی جماعت نہ تھے کہ جن سے اختلاف و نزاع کی صورت اتنی شدت اختیار کر لیتی اور نوبت جنگ و جدال تک پہنچتی جیسا کہ شیعوں کے ساتھ یہ نوبت آئی۔“

اس کے بعد ہی ڈاکٹر ظہر نے حسین فرماتے ہیں:-

”سچی بات یہ ہے کہ بنی عباس کی سلطنت کے استوار ہوجانے کے بعد شیعہ دوستی کی باہمی عداوت نے نئے نئے رنگ اختیار کئے

جنگِ جدال۔ پروپیگنڈا بازی اور تبلیغ کے بدلے مکرو فریب۔ افتراء  
 و اختراع کی بہتات ہو گئی۔ انصاف پسند مورخ کو لازم ہے کہ جب وہ  
 صدرِ اسلام کے فتنوں کی تصویر کشی کرنے بیٹھے تو انتہائی احتیاط سے کام  
 لے۔ اس سے بڑھ کر اور آسان بات کیا ہوگی کہ عراق و اے شام والوں  
 کو جھوٹی تہمت لگائیں اور شام و اے عراق والوں کو خصوصاً اس وقت  
 جبکہ صدیاں گزر چکی ہیں۔ مدتِ طولانی ہو چکی ہے اور صحیح واقعات کی  
 چھان بین دشوار ہے۔“

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں:-

”جو کچھ بھی ہو، علامہ بلاذری نے نہ تو حضرت عثمان کے زمانہ کے

فتنہ و فساد کے ضمن میں اور نہ ہی حضرت علیؑ کی خلافت کے عہد میں عبداللہ  
 بن سبار کا ذکر کیا۔ طبری اور طبری کے وہ رواۃ جن سے مورخ طبری نے اس  
 قصہ کو حاصل کیا نیز وہ مورخین جنہوں نے بعد میں طبری سے اس واقعہ  
 کو لیا۔ سبھی ابن سبار اور اس کے اصحاب کے قصہ کو حضرت عثمان کے  
 زمانہ کے فتنہ و فساد کے ضمن میں اور حضرت علیؑ کی خلافت کے پہلے سال  
 کے تذکرہ میں تو طبری شد و مدد کے ساتھ بیان کرتے ہیں مگر اس کے  
 بعد گول کر جاتے ہیں۔ کسی کو بھی ابن سبار اور اس کے عقیدتمند یاد نہیں  
 رہتے۔ محدثین و مناظرین بھی طبری اور طبری کے خوشہ چینیوں کے ہی ہمنوا  
 ہیں، طبری کے قصہ کو سر آنکھوں پر رکھتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ  
 محدثین و اربابِ مناظرہ طبری کی بیان کی ہوئی باتوں کے علاوہ اپنی طرف  
 سے بھی ایک نرالی بات اضافہ کر کے بیان کرتے ہیں جس میں وہ منفرد  
 ہیں۔ وہ یہ کہ ابن سبار اور اس کے پیرو حضرت علیؑ کی الوہیت کے

قاتل ہو گئے تھے اور علیؑ نے اُن کو آگ میں جلا دیا تھا۔ لیکن اگر آپ  
تاریخ کی کتابوں میں محدثین و مناظرین کے چھوڑے ہوئے اس شگوفہ کو  
تلاش کیجئے تو کہیں پتہ بھی نہ ملے۔ ہمیں تو کہیں بھی معلوم نہ ہو سکا کہ حضرت  
علیؑ کے مختصر زمانہ خلافت میں کس سال ان غالیوں کا فتنہ رونما ہوا۔  
شروع زمانہ اسلام میں لوگوں کو آگ میں جلا دینا پھر وہ بھی اصحابِ پیغمبر  
اور صالح مؤمنین کی موجودگی میں۔ ایسی معمولی بات نہیں کہ مورخین اس سے  
غافل رہتے اور اُسے اپنی کتابوں میں صج نہ کرتے اور ماہ و سال کی  
تعیین نہ کرتے بلکہ بالکل ہی سکوت اختیار کر جاتے۔

مورخین کی تمام لمبی چوڑی داستان کا خلاصہ بلاذری نے مختصر  
لفظوں میں یہ بیان کیا ہے کہ کوفہ کے کچھ لوگ مرتد ہو گئے تھے حضرت  
علیؑ نے انھیں قتل کر ڈالا۔ مرتد ہونے والے لوگوں کے لئے جو حکم اسلام  
نے دیا ہے وہ ہر شخص جانتا ہے اور وہ یہ ہے کہ مرتد سے پہلے توبہ کرائی  
جائے۔ اگر وہ توبہ کرے تو معاف کر دیا جائے اور اگر توبہ نہ کرے تو اسکو  
قتل کر ڈالا جائے۔ لہذا اگر حضرت علیؑ کے زمانہ میں کچھ لوگ مرتد ہو گئے  
ہوں اور آپ نے اسلام کے حکم پر عمل کرتے ہوئے انھیں قتل کر دیا ہو تو  
یہ کون سے عجب کی بات ہے؟ بشرطیکہ قصہ صحیح بھی ہو۔ اگرچہ بلاذری نے  
اس قصہ کو بیان کرتے ہوئے مرتد ہو جانے والوں میں سے کسی کا نام  
نہیں بتایا اور نہ اس امر کی صراحت کی کہ یہ واقعہ کب پیش آیا تھا۔ بلاذری  
نے مطلقاً یہ واقعہ بیان کر دیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ خود بھی اس  
واقعہ کا یقین نہیں رکھتے تھے۔ (الفتنۃ الکبریٰ جلد دوم مطبوعہ مصر ۱۰۴۲ھ و ۱۰۴۳ھ)  
(کتاب علیؑ فرزندش ترجمہ فارسی الفتنۃ الکبریٰ جلد دوم بقلم محمد علیؑ ص ۱۱۸ مطبوعہ ایران)

یہی فاضل مصنف اکٹراہ احسین مصری الفتہ الکبریٰ جلد اول میں حضرت عثمان کے حالات کے ضمن میں یہ بھی لکھ چکے ہیں :-

”میرا خیال یہ ہے کہ جو لوگ ابن سبار کے معاملہ کو اس حد تک

اہمیت دیتے ہیں وہ نہ صرف اپنے آپ پر بلکہ تاریخ پر شدید ظلم کرتے

ہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلی غور طلب چیز یہ ہے کہ ان تمام اہم ماخذ

میں جو حضرت عثمان کے خلاف روٹا ہونے والی شورش پر روشنی ڈالتے

ہیں ہمیں ابن سبار کا ذکر ہی نہیں ملتا۔ مثلاً ابن سعد نے جہاں خلافتِ

عثمان اور ان کے خلاف بغاوت کا حال رقم کیا ہے وہاں ابن سبار کا

کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ اسی طرح بلاذری نے بھی ”انساب الاشراف“ میں

اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ حالانکہ میرے خیال میں حضرت عثمان کے

خلاف بغاوت کے واقعات معلوم کرنے کے لئے ”انساب الاشراف“

اہم ترین ماخذ ہے۔ اور اس قصہ کی سب سے زیادہ تفصیل اسی کتاب

میں ملتی ہے۔..... ابن سبار کی یہ داستان طبری نے سیف

بن عمر کی روایت سے بیان کی ہے، اور معلوم یہی ہوتا ہے کہ مابعد کے

جملہ مورخین نے اس روایت کو طبری ہی سے لیا ہے۔ معلوم نہیں کہ

ابن سبار کو عہدِ عثمان میں کوئی وقعت حاصل ہوئی تھی یا نہیں۔ لیکن مجھے

یقین ہے کہ اگر کچھ اس کی وقعت ہوتی بھی تو وہ چنداں معنی نہ رکھتی تھی

حضرت عثمان کے عہد کے مسلمان ایسے گئے گزرے نہ تھے کہ اہل

کتاب میں سے ایک نو مسلم جو عہدِ عثمان ہی میں اسلام لایا ہو یہ مقام

حاصل کر لے کہ ان کی عقل و فکر اور حکومت تک سے مذاق کرنے لگے

وہ بھی اس طرح کہ ادھر اسلام لائے ادھر فتنہ و فساد پھیلا نا شروع

کر دے۔ حتیٰ کہ اپنی سازشوں کو تمام سلطنت میں نشر کر دے۔ اگر اس  
 نو مسلم کو جو محض مسلمانوں میں شراکت گیری کی خاطر اسلام لایا تھا عبد اللہ بن عمار  
 نے یا امیر معاویہ نے پکڑا ہوتا تو اس کے خلاف دونوں میں سے کسی  
 ایک نے یا دونوں نے حضرت عثمان کی خدمت میں ضرور تحریر کیا ہوتا اور نہ  
 دونوں یا دونوں میں سے کوئی ایک ضرور اس کی سخت گرفت کرتا۔ اور  
 عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح کے ہاتھ لگ جاتا تو وہ اُسے سزا دیے بغیر نہ دیتے  
 وہ سزا جو حضرت عثمان کے خوف سے محمد بن ابی حذیفہ اور محمد بن ابی بکر کو  
 نہ دے سکے تھے۔ بھلا وہ شخص جو حضرت عثمان سے محمد بن ابی حذیفہ اور  
 محمد بن ابی بکر اور بعض روایات کے مطابق معمار بن یاسر کو سزا دینے کی  
 اجازت کا طلب گار ہو کیسے ممکن ہے کہ وہ اہل کتاب میں سے ایک  
 ایسے آدمی کو سزا دیے بغیر رہ جاتا۔ جس کے نزدیک اسلام محض مسلمانوں  
 کے مابین آتش افتراق کو ہوا دینے کا ایک ذریعہ تھا۔ اور جو مسلمانوں کی  
 نگاہوں میں ان کے امام بلکہ سائے دین ہی کو مشتتبہ بنا رہا تھا۔ اور پھر  
 ظاہر ہے کہ والیان مملکت کے لئے اس نو مسلم کے تعاقب گرفتاری اور  
 تعزیر سے زیادہ آسان بات کوئی نہ تھی۔ حالانکہ وہ مخالفین کا تعاقب  
 کر کے انہیں گرفتار کرنے یا جلا وطن کر کے انہیں امیر معاویہ یا عبد الرحمن  
 بن خالد بن ولید کے پاس بھیج دینے میں کافی مہارت رکھتے تھے۔  
 فاضل موصوف کچھ آگے چل کر پھر لکھتے ہیں :-

”عبد اللہ بن سبار کے متعلق جو روایات ہیں، انہیں درست بھی مان  
 لیا جائے تب بھی گمان غالب یہی ہے کہ اس کی تعلیم و تبلیغ اور دعوت  
 فتنہ کے زونا ہونے اور مخالفت و بغاوت کی آگ بھڑکنے کے بعد

شروع ہوئی ہے۔ لہذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس نے فتنہ سے ناچار  
 فائدہ اٹھایا، لیکن یہ غلط ہے کہ وہ اس فتنہ کو برا بیختہ کرنے والا ہے۔  
 اس طرح گمان اغلب ہے کہ شیعہ دشمن عناصر نے عہد بنو امیہ و  
 بنو عباسیہ میں عبداللہ بن سبار کے معاملہ کو اس لئے مبالغہ کارنگ دیا  
 کہ ایک طرف تو کچھ ایسے واقعات جو حضرت عثمان اور ان کے والیوں  
 سے منسوب ہیں وہ مشکوک ہو جائیں اور دوسری طرف حضرت علی اور  
 ان کے ساتھیوں پر زد پڑے اور یہ ظاہر کیا جائے کہ شیعہ ایک یہودی  
 کے جھلسے میں آئے ہوئے تھے جو محض علم دشمنی کے خاطر اسلام لایا  
 تھا۔ ظاہر ہے کہ مخالفین شیعہ نے شیعہ پر اور جو اب شیعہ نے جو اتہام  
 اپنے مخالفین پر عائد کئے ہیں وہ حد و حساب سے باہر ہیں۔ اس طرح  
 وہ اتہامات بھی بہت زیادہ ہیں جو شیعہ حضرت عثمان اور دیگر حضرات کے  
 بارے میں اپنے مخالفین پر عائد کرتے ہیں۔ اس لئے ہمیں ان تمام حالات  
 کا جائزہ نہایت تدبیر اور احتیاط سے لینا چاہیے۔ ہمیں صدر اسلام کے  
 مسلمانوں کو اس سے بالاتر سمجھنا چاہیے کہ ان کے دین و سیاست اور  
 عقل و حکومت کو ایک ایسا شخص کھلونا بنائے جو صنعا، کامبو، جن کا باپ  
 یہودی اور مان حشمن ہو اور جو خود بھی یہودی ہو، جسے اسلام لائے ابھی  
 نہ زیادہ دن نہ گزرے ہوں۔ مزید برآں یہ کہ اس نے اسلام بھی بغیبت  
 یا بخوف قبول نہ کیا ہو، بلکہ محض مکر سازش اور فریب دہی کی خاطر یہ  
 روپ دھارا ہو۔ پھر اسے حسبِ رجواہ کامیابی حاصل ہوگی ہو چنانچہ  
 اس نے مسلمانوں کو ان کے امام کے خلاف شورش برپا کرنے پر تیار  
 کر لیا۔ یہاں تک کہ انھوں نے خلیفہ کو تہ تیغ کر ڈالا۔ علاوہ ازیں اس نے

مسلمانوں کو اس واقعہ سے قبل یا بعد منتشر کر کے فرقہ فرقہ اور گروہ در  
گروہ کر دیا۔

فاضل مورخ اس کے بعد حضرت عثمان کے خلافت بغاوت و انتشار کا  
حقیقی پس منظر بیان کرتے ہوئے یوں خامہ فرسایا ہے:-

”یہ تمام باتیں ایسی ہیں جو عقل کی کسوٹی پر ثابت نہیں ہوتیں نہ  
تنقید کی تاب لاسکتی ہیں۔ لہذا ان تمام باتوں پر تاریخی امور کی بنیاد  
استوار کرنا درست نہیں۔ دراصل واضح بات جس میں کسی شک و شبہ کی  
گنجائش نہیں وہ یہ ہے کہ اس دور کی اسلامی زندگی کے حالات طبعی  
طور پر اختلاف آرا۔ افتراق امور اور گونا گوں سیاسی مذاہب کے  
ظہور کی طرف مائل تھے۔ ایک طرف تو وہ لوگ تھے جو قرآن و سنت  
نبوی اور سیرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما سے وابستہ تھے۔ اور وہ ایسے  
نئے امور وقوع پذیر ہوتے دیکھ رہے تھے جن سے ان کا ساتھ نہیں  
پڑا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ ان حالات کا اس طرح حرم و احتیاط قوت و  
شدت۔ بے غرضی اور خوش انتظامی کے ساتھ مقابلہ کیا جائے، جس طرح  
حضرت عمر کیا کرتے تھے۔ دوسری طرف قریش اور دوسرے عرب قبائل کے  
نوجوان تھے جو نئی صورت حال سے نئے جذبات کے ساتھ دوچار ہو رہے  
تھے۔ ایسے جذبات جن میں طمع، مراتب عالیہ کا حصول، خود غرضی و خود  
پرستی، خوش رنگ اُمیدیں، کسی حد تک نہ ٹھہرنے والی خواہش ملی جلی  
تھیں۔ ان سب باتوں کی وجہ سے ان جذبات میں رشک و رقابت  
اور ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی تمنا بھی شامل تھی۔ یہ باہمی مقابلہ  
محض بلند مناصب کے حصول ہی کے لئے نہ تھا بلکہ ماحول کی ہر شے

کو حاصل کرنے کے لئے موجود تھا۔ یہی صورت حال فی نفسہ اس قابل تھی کہ ہر ناؤ پیر کو اس ڈھکے پر لگا دے، جس کی جانب وہ چل پڑے تھے۔ ذرا غور کیجئے کہ وسیع علاقے ختم ہو رہے تھے۔ ان علاقوں میں بے حساب دولت خراج کی شکل میں ان کے پاس وصول ہو کر پہنچ رہی تھی۔ اس صورت حال کے پیش نظر ان علاقوں میں اگر نظم حکومت چلانے اور اس جمع شدہ مال سے مستفید ہونے کی غرض سے لوگ باہم رشک و رقابت کے جذبات میں مبتلا رہتے تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے؟۔ پھر دوسری طرف وہ ممالک بھی تھے جو ابھی فتح نہیں ہوئے تھے، اور صورت حال اس امر کا تقاضہ کر رہی تھی کہ مسلمان انھیں بھی دوسرے علاقوں کی طرح زیر نگین کر لیں۔ تو پھر وہ لوگ فتح کے ضمن میں کیوں ایک دوسرے سے بدقت لے جانے کی کوشش نہ کرتے؟ ان میں سے جو لوگ طالب دنیا تھے وہ کیوں فاتحین کی مجد و عزت اور مالِ غنیمت کے بائے میں رقیبانہ رویہ اختیار نہ کرتے؟ جو طالب آخرت تھے وہ کیوں اجر و ثواب کے طلبکار نہ ہوتے؟ لہذا اگر طامع و بلند نگاہ نوجوانانِ قریش ان راہوں سے داخل ہو کر جو ان کے سامنے کھلی تھیں عظمت، تسلط اور ثروت حاصل کرنا چاہتے تھے تو یہ کونسے آپٹھے کی بات تھی؟ اسی طرح اگر انصار اور دوسرے عرب قبائل کے نوجوانوں میں مقابلہ و مسابقت کی روح بیدار ہو رہی تھی تو اس میں کونسی انوکھی بات تھی؟ اور پھر جب یہ دیکھ کر کہ خلیفہ اسلام ان کے اس جذبہ مسابقت میں حائل ہو رہے ہیں یا وہ اہم معاملات میں قریش کو اور اس سے زیادہ عظیم اہمیت امور میں صرف بنی امیہ



کو ترجیح دے رہے ہیں۔ ان کے ذہنوں میں در و محرومی اور غیرت و غضب کی آگ بھڑکے تو اس میں کونسا عجوبہ ہے؟

بلاشبہ حضرت عثمان نے حضرت سعد کو کوفہ کی حکومت سے معزول کر کے ان کی جگہ ولید اور سعید کو والی مقرر کیا۔ ابو موسیٰ کو بصرہ سے معزول کر کے عبداللہ بن عامر کو ان کا جانشین مقرر کیا۔ تمام ملک شام متحد کر کے امیر معاویہ کے سپرد کر کے ان کے تسلط کی حتی الامکان توسیع کی۔ حالانکہ قبل ازین شام کئی صوبوں میں منقسم تھا اور اس کی حکومتیں میں قریش کے ساتھ دوسرے عرب قبائل بھی شریک تھے۔ اس لیے حضرت عثمان نے مصر سے عمرو ابن عاص کو مٹا کر ان کی جگہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کا تقرر کیا۔ اور یہ سب والی حضرت عثمان کے اقرباء میں سے تھے۔ کوئی ماں کی طرف سے بھائی تھے اور کوئی رضاعی بھائی۔ کوئی ہامول تھے اور کوئی بنو عبدالشمس سے نسبتِ قریبہ رکھنے کی وجہ سے ان کے ہم نسب تھے۔ یہ وہ سب حقائق ہیں جن سے مجال انکار نہیں ہے۔ یہ بھی ہم جانتے ہیں کہ حضرت عثمان نے جن لوگوں کو معزول یا

مقرر کیا تھا ابن سبا کے ایما سے نہیں کیا تھا۔ سیدھی سی بات یہ ہے کہ جب بھی شاہوں، قیصروں، والیوں اور امراء نے امورِ حکومت میں اپنے اقرباء کو ترجیح دی ہے لوگوں نے اسے ہمیشہ ناپسند کیا ہے۔ اس اعتبار سے حضرت عثمان کی مسلم رعایا نے عامۃ الناس سے بہت کر کوئی انوکھی بات نہ کی تھی۔ چنانچہ انھوں نے بھی ہر زمانہ کے عام انسانوں کی طرح بعض معاملات کو ناپسند کیا اور بعض کو تسلیم کر لیا۔

دالفتنہ الکبریٰ جلد اول ترجمہ مطبوعہ طلوع اسلام لاہور ۲۸۵-۲۸۶-۲۸۷-۲۸۸-۲۸۹-۲۹۰-۲۹۱-۲۹۲-۲۹۳-۲۹۴-۲۹۵-۲۹۶-۲۹۷-۲۹۸-۲۹۹-۳۰۰-۳۰۱-۳۰۲-۳۰۳-۳۰۴-۳۰۵-۳۰۶-۳۰۷-۳۰۸-۳۰۹-۳۱۰-۳۱۱-۳۱۲-۳۱۳-۳۱۴-۳۱۵-۳۱۶-۳۱۷-۳۱۸-۳۱۹-۳۲۰-۳۲۱-۳۲۲-۳۲۳-۳۲۴-۳۲۵-۳۲۶-۳۲۷-۳۲۸-۳۲۹-۳۳۰-۳۳۱-۳۳۲-۳۳۳-۳۳۴-۳۳۵-۳۳۶-۳۳۷-۳۳۸-۳۳۹-۳۴۰-۳۴۱-۳۴۲-۳۴۳-۳۴۴-۳۴۵-۳۴۶-۳۴۷-۳۴۸-۳۴۹-۳۵۰-۳۵۱-۳۵۲-۳۵۳-۳۵۴-۳۵۵-۳۵۶-۳۵۷-۳۵۸-۳۵۹-۳۶۰-۳۶۱-۳۶۲-۳۶۳-۳۶۴-۳۶۵-۳۶۶-۳۶۷-۳۶۸-۳۶۹-۳۷۰-۳۷۱-۳۷۲-۳۷۳-۳۷۴-۳۷۵-۳۷۶-۳۷۷-۳۷۸-۳۷۹-۳۸۰-۳۸۱-۳۸۲-۳۸۳-۳۸۴-۳۸۵-۳۸۶-۳۸۷-۳۸۸-۳۸۹-۳۹۰-۳۹۱-۳۹۲-۳۹۳-۳۹۴-۳۹۵-۳۹۶-۳۹۷-۳۹۸-۳۹۹-۴۰۰-۴۰۱-۴۰۲-۴۰۳-۴۰۴-۴۰۵-۴۰۶-۴۰۷-۴۰۸-۴۰۹-۴۱۰-۴۱۱-۴۱۲-۴۱۳-۴۱۴-۴۱۵-۴۱۶-۴۱۷-۴۱۸-۴۱۹-۴۲۰-۴۲۱-۴۲۲-۴۲۳-۴۲۴-۴۲۵-۴۲۶-۴۲۷-۴۲۸-۴۲۹-۴۳۰-۴۳۱-۴۳۲-۴۳۳-۴۳۴-۴۳۵-۴۳۶-۴۳۷-۴۳۸-۴۳۹-۴۴۰-۴۴۱-۴۴۲-۴۴۳-۴۴۴-۴۴۵-۴۴۶-۴۴۷-۴۴۸-۴۴۹-۴۵۰-۴۵۱-۴۵۲-۴۵۳-۴۵۴-۴۵۵-۴۵۶-۴۵۷-۴۵۸-۴۵۹-۴۶۰-۴۶۱-۴۶۲-۴۶۳-۴۶۴-۴۶۵-۴۶۶-۴۶۷-۴۶۸-۴۶۹-۴۷۰-۴۷۱-۴۷۲-۴۷۳-۴۷۴-۴۷۵-۴۷۶-۴۷۷-۴۷۸-۴۷۹-۴۸۰-۴۸۱-۴۸۲-۴۸۳-۴۸۴-۴۸۵-۴۸۶-۴۸۷-۴۸۸-۴۸۹-۴۹۰-۴۹۱-۴۹۲-۴۹۳-۴۹۴-۴۹۵-۴۹۶-۴۹۷-۴۹۸-۴۹۹-۵۰۰-۵۰۱-۵۰۲-۵۰۳-۵۰۴-۵۰۵-۵۰۶-۵۰۷-۵۰۸-۵۰۹-۵۱۰-۵۱۱-۵۱۲-۵۱۳-۵۱۴-۵۱۵-۵۱۶-۵۱۷-۵۱۸-۵۱۹-۵۲۰-۵۲۱-۵۲۲-۵۲۳-۵۲۴-۵۲۵-۵۲۶-۵۲۷-۵۲۸-۵۲۹-۵۳۰-۵۳۱-۵۳۲-۵۳۳-۵۳۴-۵۳۵-۵۳۶-۵۳۷-۵۳۸-۵۳۹-۵۴۰-۵۴۱-۵۴۲-۵۴۳-۵۴۴-۵۴۵-۵۴۶-۵۴۷-۵۴۸-۵۴۹-۵۵۰-۵۵۱-۵۵۲-۵۵۳-۵۵۴-۵۵۵-۵۵۶-۵۵۷-۵۵۸-۵۵۹-۵۶۰-۵۶۱-۵۶۲-۵۶۳-۵۶۴-۵۶۵-۵۶۶-۵۶۷-۵۶۸-۵۶۹-۵۷۰-۵۷۱-۵۷۲-۵۷۳-۵۷۴-۵۷۵-۵۷۶-۵۷۷-۵۷۸-۵۷۹-۵۸۰-۵۸۱-۵۸۲-۵۸۳-۵۸۴-۵۸۵-۵۸۶-۵۸۷-۵۸۸-۵۸۹-۵۹۰-۵۹۱-۵۹۲-۵۹۳-۵۹۴-۵۹۵-۵۹۶-۵۹۷-۵۹۸-۵۹۹-۶۰۰-۶۰۱-۶۰۲-۶۰۳-۶۰۴-۶۰۵-۶۰۶-۶۰۷-۶۰۸-۶۰۹-۶۱۰-۶۱۱-۶۱۲-۶۱۳-۶۱۴-۶۱۵-۶۱۶-۶۱۷-۶۱۸-۶۱۹-۶۲۰-۶۲۱-۶۲۲-۶۲۳-۶۲۴-۶۲۵-۶۲۶-۶۲۷-۶۲۸-۶۲۹-۶۳۰-۶۳۱-۶۳۲-۶۳۳-۶۳۴-۶۳۵-۶۳۶-۶۳۷-۶۳۸-۶۳۹-۶۴۰-۶۴۱-۶۴۲-۶۴۳-۶۴۴-۶۴۵-۶۴۶-۶۴۷-۶۴۸-۶۴۹-۶۵۰-۶۵۱-۶۵۲-۶۵۳-۶۵۴-۶۵۵-۶۵۶-۶۵۷-۶۵۸-۶۵۹-۶۶۰-۶۶۱-۶۶۲-۶۶۳-۶۶۴-۶۶۵-۶۶۶-۶۶۷-۶۶۸-۶۶۹-۶۷۰-۶۷۱-۶۷۲-۶۷۳-۶۷۴-۶۷۵-۶۷۶-۶۷۷-۶۷۸-۶۷۹-۶۸۰-۶۸۱-۶۸۲-۶۸۳-۶۸۴-۶۸۵-۶۸۶-۶۸۷-۶۸۸-۶۸۹-۶۹۰-۶۹۱-۶۹۲-۶۹۳-۶۹۴-۶۹۵-۶۹۶-۶۹۷-۶۹۸-۶۹۹-۷۰۰-۷۰۱-۷۰۲-۷۰۳-۷۰۴-۷۰۵-۷۰۶-۷۰۷-۷۰۸-۷۰۹-۷۱۰-۷۱۱-۷۱۲-۷۱۳-۷۱۴-۷۱۵-۷۱۶-۷۱۷-۷۱۸-۷۱۹-۷۲۰-۷۲۱-۷۲۲-۷۲۳-۷۲۴-۷۲۵-۷۲۶-۷۲۷-۷۲۸-۷۲۹-۷۳۰-۷۳۱-۷۳۲-۷۳۳-۷۳۴-۷۳۵-۷۳۶-۷۳۷-۷۳۸-۷۳۹-۷۴۰-۷۴۱-۷۴۲-۷۴۳-۷۴۴-۷۴۵-۷۴۶-۷۴۷-۷۴۸-۷۴۹-۷۵۰-۷۵۱-۷۵۲-۷۵۳-۷۵۴-۷۵۵-۷۵۶-۷۵۷-۷۵۸-۷۵۹-۷۶۰-۷۶۱-۷۶۲-۷۶۳-۷۶۴-۷۶۵-۷۶۶-۷۶۷-۷۶۸-۷۶۹-۷۷۰-۷۷۱-۷۷۲-۷۷۳-۷۷۴-۷۷۵-۷۷۶-۷۷۷-۷۷۸-۷۷۹-۷۸۰-۷۸۱-۷۸۲-۷۸۳-۷۸۴-۷۸۵-۷۸۶-۷۸۷-۷۸۸-۷۸۹-۷۹۰-۷۹۱-۷۹۲-۷۹۳-۷۹۴-۷۹۵-۷۹۶-۷۹۷-۷۹۸-۷۹۹-۸۰۰-۸۰۱-۸۰۲-۸۰۳-۸۰۴-۸۰۵-۸۰۶-۸۰۷-۸۰۸-۸۰۹-۸۱۰-۸۱۱-۸۱۲-۸۱۳-۸۱۴-۸۱۵-۸۱۶-۸۱۷-۸۱۸-۸۱۹-۸۲۰-۸۲۱-۸۲۲-۸۲۳-۸۲۴-۸۲۵-۸۲۶-۸۲۷-۸۲۸-۸۲۹-۸۳۰-۸۳۱-۸۳۲-۸۳۳-۸۳۴-۸۳۵-۸۳۶-۸۳۷-۸۳۸-۸۳۹-۸۴۰-۸۴۱-۸۴۲-۸۴۳-۸۴۴-۸۴۵-۸۴۶-۸۴۷-۸۴۸-۸۴۹-۸۵۰-۸۵۱-۸۵۲-۸۵۳-۸۵۴-۸۵۵-۸۵۶-۸۵۷-۸۵۸-۸۵۹-۸۶۰-۸۶۱-۸۶۲-۸۶۳-۸۶۴-۸۶۵-۸۶۶-۸۶۷-۸۶۸-۸۶۹-۸۷۰-۸۷۱-۸۷۲-۸۷۳-۸۷۴-۸۷۵-۸۷۶-۸۷۷-۸۷۸-۸۷۹-۸۸۰-۸۸۱-۸۸۲-۸۸۳-۸۸۴-۸۸۵-۸۸۶-۸۸۷-۸۸۸-۸۸۹-۸۹۰-۸۹۱-۸۹۲-۸۹۳-۸۹۴-۸۹۵-۸۹۶-۸۹۷-۸۹۸-۸۹۹-۹۰۰-۹۰۱-۹۰۲-۹۰۳-۹۰۴-۹۰۵-۹۰۶-۹۰۷-۹۰۸-۹۰۹-۹۱۰-۹۱۱-۹۱۲-۹۱۳-۹۱۴-۹۱۵-۹۱۶-۹۱۷-۹۱۸-۹۱۹-۹۲۰-۹۲۱-۹۲۲-۹۲۳-۹۲۴-۹۲۵-۹۲۶-۹۲۷-۹۲۸-۹۲۹-۹۳۰-۹۳۱-۹۳۲-۹۳۳-۹۳۴-۹۳۵-۹۳۶-۹۳۷-۹۳۸-۹۳۹-۹۴۰-۹۴۱-۹۴۲-۹۴۳-۹۴۴-۹۴۵-۹۴۶-۹۴۷-۹۴۸-۹۴۹-۹۵۰-۹۵۱-۹۵۲-۹۵۳-۹۵۴-۹۵۵-۹۵۶-۹۵۷-۹۵۸-۹۵۹-۹۶۰-۹۶۱-۹۶۲-۹۶۳-۹۶۴-۹۶۵-۹۶۶-۹۶۷-۹۶۸-۹۶۹-۹۷۰-۹۷۱-۹۷۲-۹۷۳-۹۷۴-۹۷۵-۹۷۶-۹۷۷-۹۷۸-۹۷۹-۹۸۰-۹۸۱-۹۸۲-۹۸۳-۹۸۴-۹۸۵-۹۸۶-۹۸۷-۹۸۸-۹۸۹-۹۹۰-۹۹۱-۹۹۲-۹۹۳-۹۹۴-۹۹۵-۹۹۶-۹۹۷-۹۹۸-۹۹۹-۱۰۰۰-۱۰۰۱-۱۰۰۲-۱۰۰۳-۱۰۰۴-۱۰۰۵-۱۰۰۶-۱۰۰۷-۱۰۰۸-۱۰۰۹-۱۰۱۰-۱۰۱۱-۱۰۱۲-۱۰۱۳-۱۰۱۴-۱۰۱۵-۱۰۱۶-۱۰۱۷-۱۰۱۸-۱۰۱۹-۱۰۲۰-۱۰۲۱-۱۰۲۲-۱۰۲۳-۱۰۲۴-۱۰۲۵-۱۰۲۶-۱۰۲۷-۱۰۲۸-۱۰۲۹-۱۰۳۰-۱۰۳۱-۱۰۳۲-۱۰۳۳-۱۰۳۴-۱۰۳۵-۱۰۳۶-۱۰۳۷-۱۰۳۸-۱۰۳۹-۱۰۴۰-۱۰۴۱-۱۰۴۲-۱۰۴۳-۱۰۴۴-۱۰۴۵-۱۰۴۶-۱۰۴۷-۱۰۴۸-۱۰۴۹-۱۰۵۰-۱۰۵۱-۱۰۵۲-۱۰۵۳-۱۰۵۴-۱۰۵۵-۱۰۵۶-۱۰۵۷-۱۰۵۸-۱۰۵۹-۱۰۶۰-۱۰۶۱-۱۰۶۲-۱۰۶۳-۱۰۶۴-۱۰۶۵-۱۰۶۶-۱۰۶۷-۱۰۶۸-۱۰۶۹-۱۰۷۰-۱۰۷۱-۱۰۷۲-۱۰۷۳-۱۰۷۴-۱۰۷۵-۱۰۷۶-۱۰۷۷-۱۰۷۸-۱۰۷۹-۱۰۸۰-۱۰۸۱-۱۰۸۲-۱۰۸۳-۱۰۸۴-۱۰۸۵-۱۰۸۶-۱۰۸۷-۱۰۸۸-۱۰۸۹-۱۰۹۰-۱۰۹۱-۱۰۹۲-۱۰۹۳-۱۰۹۴-۱۰۹۵-۱۰۹۶-۱۰۹۷-۱۰۹۸-۱۰۹۹-۱۱۰۰-۱۱۰۱-۱۱۰۲-۱۱۰۳-۱۱۰۴-۱۱۰۵-۱۱۰۶-۱۱۰۷-۱۱۰۸-۱۱۰۹-۱۱۱۰-۱۱۱۱-۱۱۱۲-۱۱۱۳-۱۱۱۴-۱۱۱۵-۱۱۱۶-۱۱۱۷-۱۱۱۸-۱۱۱۹-۱۱۲۰-۱۱۲۱-۱۱۲۲-۱۱۲۳-۱۱۲۴-۱۱۲۵-۱۱۲۶-۱۱۲۷-۱۱۲۸-۱۱۲۹-۱۱۳۰-۱۱۳۱-۱۱۳۲-۱۱۳۳-۱۱۳۴-۱۱۳۵-۱۱۳۶-۱۱۳۷-۱۱۳۸-۱۱۳۹-۱۱۴۰-۱۱۴۱-۱۱۴۲-۱۱۴۳-۱۱۴۴-۱۱۴۵-۱۱۴۶-۱۱۴۷-۱۱۴۸-۱۱۴۹-۱۱۵۰-۱۱۵۱-۱۱۵۲-۱۱۵۳-۱۱۵۴-۱۱۵۵-۱۱۵۶-۱۱۵۷-۱۱۵۸-۱۱۵۹-۱۱۶۰-۱۱۶۱-۱۱۶۲-۱۱۶۳-۱۱۶۴-۱۱۶۵-۱۱۶۶-۱۱۶۷-۱۱۶۸-۱۱۶۹-۱۱۷۰-۱۱۷۱-۱۱۷۲-۱۱۷۳-۱۱۷۴-۱۱۷۵-۱۱۷۶-۱۱۷۷-۱۱۷۸-۱۱۷۹-۱۱۸۰-۱۱۸۱-۱۱۸۲-۱۱۸۳-۱۱۸۴-۱۱۸۵-۱۱۸۶-۱۱۸۷-۱۱۸۸-۱۱۸۹-۱۱۹۰-۱۱۹۱-۱۱۹۲-۱۱۹۳-۱۱۹۴-۱۱۹۵-۱۱۹۶-۱۱۹۷-۱۱۹۸-۱۱۹۹-۱۲۰۰-۱۲۰۱-۱۲۰۲-۱۲۰۳-۱۲۰۴-۱۲۰۵-۱۲۰۶-۱۲۰۷-۱۲۰۸-۱۲۰۹-۱۲۱۰-۱۲۱۱-۱۲۱۲-۱۲۱۳-۱۲۱۴-۱۲۱۵-۱۲۱۶-۱۲۱۷-۱۲۱۸-۱۲۱۹-۱۲۲۰-۱۲۲۱-۱۲۲۲-۱۲۲۳-۱۲۲۴-۱۲۲۵-۱۲۲۶-۱۲۲۷-۱۲۲۸-۱۲۲۹-۱۲۳۰-۱۲۳۱-۱۲۳۲-۱۲۳۳-۱۲۳۴-۱۲۳۵-۱۲۳۶-۱۲۳۷-۱۲۳۸-۱۲۳۹-۱۲۴۰-۱۲۴۱-۱۲۴۲-۱۲۴۳-۱۲۴۴-۱۲۴۵-۱۲۴۶-۱۲۴۷-۱۲۴۸-۱۲۴۹-۱۲۵۰-۱۲۵۱-۱۲۵۲-۱۲۵۳-۱۲۵۴-۱۲۵۵-۱۲۵۶-۱۲۵۷-۱۲۵۸-۱۲۵۹-۱۲۶۰-۱۲۶۱-۱۲۶۲-۱۲۶۳-۱۲۶۴-۱۲۶۵-۱۲۶۶-۱۲۶۷-۱۲۶۸-۱۲۶۹-۱۲۷۰-۱۲۷۱-۱۲۷۲-۱۲۷۳-۱۲۷۴-۱۲۷۵-۱۲۷۶-۱۲۷۷-۱۲۷۸-۱۲۷۹-۱۲۸۰-۱۲۸۱-۱۲۸۲-۱۲۸۳-۱۲۸۴-۱۲۸۵-۱۲۸۶-۱۲۸۷-۱۲۸۸-۱۲۸۹-۱۲۹۰-۱۲۹۱-۱۲۹۲-۱۲۹۳-۱۲۹۴-۱۲۹۵-۱۲۹۶-۱۲۹۷-۱۲۹۸-۱۲۹۹-۱۳۰۰-۱۳۰۱-۱۳۰۲-۱۳۰۳-۱۳۰۴-۱۳۰۵-۱۳۰۶-۱۳۰۷-۱۳۰۸-۱۳۰۹-۱۳۱۰-۱۳۱۱-۱۳۱۲-۱۳۱۳-۱۳۱۴-۱۳۱۵-۱۳۱۶-۱۳۱۷-۱۳۱۸-۱۳۱۹-۱۳۲۰-۱۳۲۱-۱۳۲۲-۱۳۲۳-۱۳۲۴-۱۳۲۵-۱۳۲۶-۱۳۲۷-۱۳۲۸-۱۳۲۹-۱۳۳۰-۱۳۳۱-۱۳۳۲-۱۳۳۳-۱۳۳۴-۱۳۳۵-۱۳۳۶-۱۳۳۷-۱۳۳۸-۱۳۳۹-۱۳۴۰-۱۳۴۱-۱۳۴۲-۱۳۴۳-۱۳۴۴-۱۳۴۵-۱۳۴۶-۱۳۴۷-۱۳۴۸-۱۳۴۹-۱۳۵۰-۱۳۵۱-۱۳۵۲-۱۳۵۳-۱۳۵۴-۱۳۵۵-۱۳۵۶-۱۳۵۷-۱۳۵۸-۱۳۵۹-۱۳۶۰-۱۳۶۱-۱۳۶۲-۱۳۶۳-۱۳۶۴-۱۳۶۵-۱۳۶۶-۱۳۶۷-۱۳۶۸-۱۳۶۹-۱۳۷۰-۱۳۷۱-۱۳۷۲-۱۳۷۳-۱۳۷۴-۱۳۷۵-۱۳۷۶-۱۳۷۷-۱۳۷۸-۱۳۷۹-۱۳۸۰-۱۳۸۱-۱۳۸۲-۱۳۸۳-۱۳۸۴-۱۳۸۵-۱۳۸۶-۱۳۸۷-۱۳۸۸-۱۳۸۹-۱۳۹۰-۱۳۹۱-۱۳۹۲-۱۳۹۳-۱۳۹۴-۱۳۹۵-۱۳۹۶-۱۳۹۷-۱۳۹۸-۱۳۹۹-۱۴۰۰-۱۴۰۱-۱۴۰۲-۱۴۰۳-۱۴۰۴-۱۴۰۵-۱۴۰۶-۱۴۰۷-۱۴۰۸-۱۴۰۹-۱۴۱۰-۱۴۱۱-۱۴۱۲-۱۴۱۳-۱۴۱۴-۱۴۱۵-۱۴۱۶-۱۴۱۷-۱۴۱۸-۱۴۱۹-۱۴۲۰-۱۴۲۱-۱۴۲۲-۱۴۲۳-۱۴۲۴-۱۴۲۵-۱۴۲۶-۱۴۲۷-۱۴۲۸-۱۴۲۹-۱۴۳۰-۱۴۳۱-۱۴۳۲-۱۴۳۳-۱۴۳۴-۱۴۳۵-۱۴۳۶-۱۴۳۷-۱۴۳۸-۱۴۳۹-۱۴۴۰-۱۴۴۱-۱۴۴۲-۱۴۴۳-۱۴۴۴-۱۴۴۵-۱۴۴۶-۱۴۴۷-۱۴۴۸-۱۴۴۹-۱۴۵۰-۱۴۵۱-۱۴۵۲-۱۴۵۳-۱۴۵۴-۱۴۵۵-۱۴۵۶-۱۴۵۷-۱۴۵۸-۱۴۵۹-۱۴۶۰-۱۴۶۱-۱۴۶۲-۱۴۶۳-۱۴۶۴-۱۴۶۵-۱۴۶۶-۱۴۶۷-۱۴۶۸-۱۴۶۹-۱۴۷۰-۱۴۷۱-۱۴۷۲-۱۴۷۳-۱۴۷۴-۱۴۷۵-۱۴۷۶-۱۴۷۷-۱۴۷۸-۱۴۷۹-۱۴۸۰-۱۴۸۱-۱۴۸۲-۱۴۸۳-۱۴۸۴-۱۴۸۵-۱۴۸۶-۱۴۸۷-۱۴۸۸-۱۴۸۹-۱۴۹۰-۱۴۹۱-۱۴۹۲-۱۴۹۳-۱۴۹۴-۱۴۹۵-۱۴۹۶-۱۴۹۷-۱۴۹۸-۱۴۹۹-۱۵۰۰-۱۵۰۱-۱۵۰۲-۱۵۰۳-۱۵۰۴-۱۵۰۵-۱۵۰۶-۱۵۰۷-۱۵۰۸-۱۵۰۹-۱۵۱۰-۱۵۱۱-۱۵۱۲-۱۵۱۳-۱۵۱۴-۱۵۱۵-۱۵۱۶-۱۵۱۷-۱۵۱۸-۱۵۱۹-۱۵۲۰-۱۵۲۱-۱۵۲۲-۱۵۲۳-۱۵۲۴-۱۵۲۵-۱۵۲۶-۱۵۲۷-۱۵۲۸-۱۵۲۹-۱۵۳۰-۱۵۳۱-۱۵۳۲-۱۵۳۳-۱۵۳۴-۱۵۳۵-۱۵۳۶-۱۵۳۷-۱۵۳۸-۱۵۳۹-۱۵۴۰-۱۵۴۱-۱۵۴۲-۱۵۴۳-۱۵۴۴-۱۵۴۵-۱۵۴۶-۱۵۴۷-۱۵۴۸-۱۵۴۹-۱۵۵۰-۱۵۵۱-۱۵۵۲-۱۵۵۳-۱۵۵۴-۱۵۵۵-۱۵۵۶-۱۵۵۷-۱۵۵۸-۱۵۵۹-۱۵۶۰-۱۵۶۱-۱۵۶۲-۱۵۶۳-۱۵۶۴-۱۵۶۵-۱۵۶۶-۱۵۶۷-۱۵۶۸-۱۵۶۹-۱۵۷۰-۱۵۷۱-۱۵۷۲-۱۵۷۳-۱۵۷۴-۱۵۷۵-۱۵۷۶-۱۵۷۷-۱۵۷۸-۱۵۷۹-۱۵۸۰-۱۵۸۱-۱۵۸۲-۱۵۸۳-۱۵۸۴-۱۵۸۵-۱۵۸۶-۱۵۸۷-۱۵۸۸-۱۵۸۹-۱۵۹۰-۱۵۹۱-۱۵۹۲-۱۵۹۳-۱۵۹۴-۱۵۹۵-۱۵۹۶-۱۵۹۷-۱۵۹۸-۱۵۹۹-۱۶۰۰-۱۶۰۱-۱۶۰۲-۱۶۰۳-۱۶۰۴-۱۶۰۵-۱۶۰۶-۱۶۰۷-۱۶۰۸-۱۶۰۹-۱۶۱۰-۱۶۱۱-۱۶۱۲-۱۶۱۳-۱۶۱۴-۱۶۱۵-۱۶۱۶-۱۶۱۷-۱۶۱۸-۱۶۱۹-۱۶۲۰-۱۶۲۱-۱۶۲۲-۱۶۲۳-۱۶۲۴-۱۶۲۵-۱۶۲۶-۱۶۲۷-۱۶۲۸-۱۶۲۹-۱۶۳۰-۱۶۳۱-۱۶۳۲-۱۶۳۳-۱۶۳۴-۱۶۳۵-۱۶۳۶-۱۶۳۷-۱۶۳۸-۱۶۳۹-۱۶۴۰-۱۶۴۱-۱۶۴۲-۱۶۴۳-۱۶۴۴-۱۶۴۵-۱۶۴۶-۱۶۴۷-۱۶۴۸-۱۶۴۹-۱۶۵۰-۱۶۵۱-۱۶۵۲-۱۶۵۳-۱۶۵۴-۱۶۵۵-۱۶۵۶-۱۶۵۷-۱۶۵۸-۱۶۵۹-۱۶۶۰-۱۶۶۱-۱۶۶۲-۱۶۶۳-۱۶۶۴-۱۶۶۵-۱۶۶۶-۱۶۶۷-۱۶۶۸-۱۶۶۹-۱۶۷۰-۱۶۷۱-۱۶۷۲-۱۶۷۳-۱۶۷۴-۱۶۷۵-۱۶۷۶-۱۶۷۷-۱۶۷۸-۱۶۷۹-۱۶۸۰-۱۶۸۱-۱۶۸۲-۱۶۸۳-۱۶۸۴-۱۶۸۵-۱۶۸۶-۱۶۸۷-۱۶۸۸-۱۶۸۹-۱۶۹۰-۱۶۹۱-۱۶۹۲-۱۶۹۳-۱۶۹۴-۱۶۹۵-۱۶۹۶-۱۶۹۷-۱۶۹۸-۱۶۹۹-۱۷۰۰-۱۷۰۱-۱۷۰۲-۱۷۰۳-۱۷۰۴-۱۷۰۵-۱۷۰۶-۱۷۰۷-۱۷۰۸-۱۷۰۹-۱۷۱۰-۱۷۱۱-۱۷۱۲-۱۷۱۳-۱۷۱۴-۱۷۱۵-۱۷۱۶-۱۷۱۷-۱۷۱۸-۱۷۱۹-۱۷۲۰-۱۷۲۱-۱۷۲۲-۱۷۲۳-۱۷۲۴-۱۷۲۵-۱۷۲۶-۱۷۲۷-۱۷۲۸-۱۷۲۹-۱۷۳۰-۱۷۳۱-۱۷۳۲-۱۷۳۳-۱۷۳۴-۱۷۳۵-۱۷۳۶-۱۷۳۷-۱۷۳۸-۱۷۳۹-۱۷۴۰-۱۷۴۱-۱۷۴۲-۱۷۴۳-۱۷۴۴-۱۷

# دیگر محققین اسلام کے بیانات

ابن سبار کے بارے میں

مصر کے نامور فلسفی اور ادیب مورخ ڈاکٹر طرہ احسین کے پیش کردہ تحقیقی اقتباسات جن کو ابھی ابھی ہم نے ناظرین کی خدمت میں پیش کیا ہے کو پڑھ لینے کے بعد یہ بات بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے کہ ابن سبار کا مفروضہ قصہ تاریخ اسلام کی ایک اہم فرورگشت ہے۔ اور سباریوں کے بارے میں مورخین و متکلمین کے مبالغہ آمیز تذکرے محض ذہنی بے راہ روی اور تعصب کا نتیجہ ہیں۔ اور اس سے ان کی غرض فقط عالم اسلام کی ایک اہم مذہبی تنظیم (شیعیت) کو کوچ کرنا تھا۔ ورنہ اگر ان حالات و واقعات کو صحیح تاریخی ماخذوں سے تلاش کیا جائے تو کبھی کوئی گوشت پوست والا انسان ایسا نہیں ملیگا جس کو "عبداللہ بن سبار" کہا جاتا ہو۔

ہم اپنے سلسلہ بیان میں جس بات کا دعویٰ کر چکے تھے اس کو تاریخ کی واضح شہادتوں کے ساتھ ہم نے بحسن و خوبی ثابت کر دیا ہے۔ اور حقیقت نکھار کر سامنے رکھ دی کہ ابن سبار ایک فرضی شخصیت اور من گھڑت چیز ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اس سلسلہ میں ہماری کوئی جدت طرازی نہیں، اور نہ ہی "عبداللہ بن سبار" کے متعلق حقیقی انکشاف کا سہرا ہمارے سر پر ہے۔ یہ سب کچھ نقد و تبصرہ اور تاریخی موثکافی اصل میں فاضل مورخ ڈاکٹر طرہ احسین صریح کی ہے۔ اور اس سلسلہ میں تمام ارباب تحقیق سے وہ بفضل خدا سبقت لے گئے ہیں۔

جب انھوں نے اس اہم مسئلہ کی طرف اہل علم کی توجیہ دلائی تو ہر مکتب فکر کے دانشمند اور ارباب بصیرت نے مزید تحقیقات کی روشنی میں اُسے دیکھا اور سمجھا اور کچھ نہ کچھ لکھا چنانچہ فاضل موصوف کے بعد علامہ مرتضیٰ عسکری نجف عراق۔ علامہ محمد حسین الطباطبائی

صاحب تفسیر "المیزان" ڈاکٹر علی الوردی پروفیسر نیدرلینڈ اور یونیورسٹی۔ استاد عبداللہ سبیتی  
فاضل عراق۔ علامہ امینی صاحب الذریعہ (عراق) اور ہائے کرم فرامدیر اصلاح فاضل سید  
محمد باقر نقوی (انڈیا) وغیرہ نے ضمناً یا مستقل طور پر "عبداللہ بن سبار" کی خیالی داستان  
کے موضوع پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے، اور لکھا ہے کہ ابن سبار ایک وہی شخصیت ہے۔  
ہم نے بھی اس تالیف میں ان تمام حضرات کے مصنفات اور تحقیقات کو پیش نظر  
رکھا ہے۔ ذیل میں ہم ان نامبروہ محققین کے تحقیقی اقتباسات کو اپنے ناظرین کی خدمت  
میں پیش کر کے ان کو اطمینان دلانا چاہتے ہیں کہ ابن سبار اور سبائیوں کے قصے بالکل  
فرضی ہیں اور یہ کہ افتراء پروازی کی یہ راجح کہانی اب مسلمانوں میں متفق علیہ نہیں ہے۔  
شیعی دانشمند مرتضیٰ عسکری کی تحقیق ابن سبار کے متعلق لکھنے والوں میں  
شیعی مکتب فکر کے فاضل دانشمند

علامہ مرتضیٰ عسکری ہیں جنہوں نے اس تمام لمبی چوڑی داستان کو بے اساس اور مضموم  
قرار دیا ہے۔ انہوں نے پوری تحقیق اور تنقید کے بعد ثابت کیا ہے کہ ابن سبار کوئی  
شخص نہیں تھا۔ اور اس سلسلہ میں فاضل موصوف نے ایک مستقل کتاب بھی "عبداللہ  
بن سبار" کے عنوان سے تصنیف کی ہے جو عراق میں چھپ چکی ہے۔ ہماری تالیف کے  
اہم مقامات جو ابن سبار کے متعلق ہیں اسی کتاب سے ماخوذ ہیں۔ چنانچہ ابن سبار  
کی داستان کے متعلق ان کی تحقیق یہ ہے:-

"مختصر یہ کہ ابن سبار کا قصہ خوب پھیلا اور مشہور ہوا۔ اکثر مورخین  
نے اس قصہ کو سلسلہ اسناد کے ساتھ ذکر کیا اور بلا واسطہ یا بالواسطہ  
طبری تک پہنچایا۔ کچھ مورخین ایسے بھی ہیں جنہوں نے اپنی کتابوں میں اس قصہ  
کو نبیر حوالہ کے درج کیا ہے۔ لیکن کتاب کے اول یا آخر میں مصادر  
کتاب کی فہرست میں طبری کا نام لکھ دیا ہے یا ان کتابوں کا نام لکھا

ہے جو طبری سے لکھی گئی ہیں۔

ان تمام باتوں سے حقیقت اچھی طرح روشن ہو جاتی ہے کہ طبری ہی سے اس قصہ کی بنیاد پڑی۔ سب سے پہلے اُس نے ہی اپنی تاریخ میں اس قصہ کو جگہ دی۔ اور بعد میں آنے والے مورخین ان پر حیرت انگیز حد تک اعتماد کرتے ہوئے اپنے مصنفات میں اس داستان کو جگہ دیدی اور جب طبری کے سلسلہ اسناد کو دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ مورخ طبری نے ابن سبأ کے قصہ کو صرف سیف بن عمر راوی سے اخذ کیا ہے۔ گویا سبأ سے اس قصہ کی جڑ اور بنیاد یہی سیف ہے۔ یہ سیف کوفہ کا رہنے والا تھا اور دو کتابوں "الفتوح والردہ" اور "المجلد وسیر" کا مصنف ہے۔ ائمہ رجال اور اعیان علم نے سیف کا ذکر ان الفاظ سے کیا ہے:

"بے شمار گمنام اور مجہول کمال لوگوں سے روایت کرتا ہے ضعیف الحدیث اور متروک الروایت ہے۔ حدیثیں از خود بناتا تھا۔ ثقہ لوگوں سے منسوب کر کے فرضی قصے بیان کرتا تھا۔ اس کی مرویہ اتھاد منکر ہیں اور خودیہ زندقہ اور وضع کے ساتھ مشہم ہے۔"

(ذہرست ابن ندیم ص ۱۳۷ - میزان الاعتدال زہبی جلد ۱ ص ۲۳۸ - تہذیب التہذیب ص ۲۹۷)

اصابہ جلد ۳ ص ۲۲۰ - الاستیعاب جلد ۳ ص ۲۵۲ - اللسانی المصنوعہ حدیث ص ۲۳۳

کتاب عبد اللہ بن سبأ عربی مطبوعہ نجف عراق ص ۱۸ ص ۱۴ ص ۱۲ - مصنفہم نقضی اعسری

و کتاب الغزیر جلد ۸ ص ۸۴ ص ۸۵ - مصنفہ علامہ امینی عراق

یہ تھی وہ اجمالی تعریف سیف بن عمر راوی کی جس کو فاضل مصنف نے جلیل القدر علما سے رجال کی شہادتوں کے ساتھ پیش کیا ہے۔ مورخ طبری و سیف بن عمر اور

دیگر مورخین کے مصادر و مآخذ پر ہم قبل ازیں تفصیلی روشنی ڈال چکے ہیں۔ یہاں کا تکرار اگرچہ طوالت کا مترادف ضرور تھا مگر اختصار کے طور پر ہم علماء کے بیانات کے ضمن میں فاضل مذکور کی تحقیق اور شہادت کو ضرور پیش کرنا چاہتے تھے۔

تحقیق فاضل علامہ استاد عبداللہ السبیتی (عراق) استاد عبداللہ السبیتی عراق کے مشاہیر شیعی علماء میں سے ہیں۔

اور ان کی تالیفات گرانقدر علمی سرمایہ ہیں جن میں سے "تحت رایت الحق" "المسائل" "حجۃ الوداع" "سلمان الفارسی" "ابوزرعقاری" "عمار یاسر" اور "مجرن عدی الکندی" وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

فاضل علامہ نے ایک کتاب "الی مشیختہ الازھر" کے نام سے لکھی ہے

جس میں جامع ازہر مصر کے سنی فاضل سعد محمد حسن کی تالیف "المہدویۃ فی الاسلام" کا پورا پورا علمی تعاقب کیا گیا ہے۔ شیعی فاضل کی یہ کتاب کئی جہات سے قابل توجہ اور گرانقدر علمی معلومات کا ذخیرہ ہے۔ سعد محمد حسن مصری نے جہاں اپنی دستاویز میں دیگر مسائل کا ذکر کیا ہے وہاں ابن سبأ کی مفروضہ داستان پر بھی خامہ فرسائی کرتے ہوئے شیعیت پر بھی ناز و انکسینیاں کی ہیں۔ چنانچہ استاد عبداللہ السبیتی اپنی کتاب میں ابن سبأ کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"یقین جانے کہ ابن سبأ اور سبائین کسی دور میں بھی نہیں ہو گزرے

یہ ایک خیالی داستان ہے جس کو شیعوں کے دشمنوں نے از خود وضع کر کے شیعیت کے سرکشوں کو دیا ہے۔ یہیں مکمل یقین ہے کہ جو شخص ابن سبأ سے فسوس خرافات کو تاریخ سے مطالعہ کرے گا وہ ملنے پر مجبور ہوگا کہ

یہ ایک فرضی وجود ہے اور جس کی حقیقت کچھ بھی نہیں حقیقت پر پردہ پوشی اور القادریہمت وغیرہ ایک ایسا وسیلہ ہے کہ ہر دور کی سبأ

نے اس کو اپنا کر اپنے دشمن کو نچ کیا اور اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور یہی سیاست شیعہ کے مخالفین نے بھی اپنی محسن کی بنا پر ابن سبار وغیرہ کا قصہ عالم وجود میں آیا۔ اور واقعاً یہ مسئلہ ہے بھی عجیب و غریب کہ ابن سبار اور سبائی لوگ عثمان کے زمانہ میں پیدا ہوئے اور قلیل مدت میں اتنی قوت پکڑی کہ خلیفہ مسلمین کو ان واحد میں تہ تیغ کر دیا اور اپنی مساعی سے اتنا اثر باقی چھوڑا کہ مسلمانوں کے اختلافات کی خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی جا رہی ہے اور آج تک اس گروہ شقاوت پر وہ کے تاثرات نظر آتے دکھاتی دیتے ہیں۔ کیا یہ بات سنسی اور خندہ زیر لبی کے قابل نہیں؟ کہ ابن سبار نے نیکو فتہا اپنی یہودیانہ تلوار سے اسلام کی عزت و حرمت کو زخمی کر دیا اور اس خنجر سحر آمیز نے ان واحد میں دین اور حقیقت دین کو اس وقت کے لوگوں سے سلب کر کے دم لیا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ سیاسی اغراض نے اوہام و خیالات اور سحر و افسوں کی دنیا سے ایک جادو گر پیدا کیا جس کا نام عبداللہ بن سبار رکھا گیا اور تخریب اسلام کے عنوان سے اس کو ایک دستاویزی گئی جس کی روشنی میں اس نے یہ سب کچھ کر ڈالا۔

تعجب بالائے تعجب تو یہ ہے کہ ابن سبار یہودی نے تو اسلام دشمنی کی بنا پر شیرازہ اسلامی کو ان واحد میں منتشر کر دیا مگر بن گوریون باوجود چالاک اور سیاسی گھاگ ہونے کے فلسطین کے بارے میں کچھ نہ کر سکا۔ حالانکہ یہودی روز اول سے فلسطین کے بارے میں گریہ کرتے نظر آتے ہیں۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ابن سبار بن گوریون سے بھی زیادہ سیاست میں ماہر تھا۔

اب کیوں نہ اس امر کی تحقیق کر لی جائے کہ اس کہانی کو وضع کرنے میں کونسی غرض مطلوب تھی؟ اس کا جواب ہم یہ دیتے ہیں کہ صدر اسلام میں موضوع خلافت کے بارے میں جو انتشار جاموسہ سلامی میں رونما ہوا اس کا تقاضہ یہ تھا کہ ابن سبار اور سبائین کے وجود کو وضع کیا جائے تاکہ ہر مخالف کو ابن سبار کی پیروی کے الزام سے ذلیل اور نیست و نابود کیا جاسکے۔ جلیل القدر صحابہ ابوذر، عمار، یاسر اور مالک اشتر وغیرہ کو بھی اس سلسلہ میں معاف نہیں کیا گیا جیسا کہ ڈاکٹر ظہر حسین نے بھی اس حقیقت کا اعتراف و اظہار کیا ہے (الفتنۃ الکبریٰ فارسی جلد ۲ ص ۱۱۵) اور وہ مکتوب جو زیاد بن ابیہ نے امیر شام کو حجر بن عدی الکندی وغیرہ کی گرفتاری کے بعد لکھا کہ یہ سبائینہ لوگ ہیں اور امیر المؤمنین معاویہ کی مخالفت کرتے ہیں، خدا نے ان پر ہم کو مسلط کیا ہے۔ ان کا رئیس یہ حجر بن عدی ہے۔ (حجر بن عدی - مصنفہ آقائی کمرہ اسی ص ۶۶) بھی ہمارے مدعا پر روشن دلیل ہے۔ کہ وقتی سیاست نے اپنے تمام مخالفین کو سبائیت کے لقب سے نوازا۔ بہر حال جو شخص بھی ان خلاف عقل و نقل واقعات کو غور سے مطالعہ کرے گا وہ ہرگز یہ باور نہیں کر سکتا کہ سبائی گروہ بھی تھا، اور اس نے یہ سارے کھیل کھیلے۔ کیا یہ سبائی اور راستی کی بات نہیں ہے کہ ابن سبار اور اس کے اتباع حضرت عثمان کے گھر میں اتنی طاقت بکثرت اور عثمانی حکومت کے عمال و گورنران کو تمام ملک پر مسلط ہوتا دیکھتے رہے اور ان کے کانوں پر چوں تک نہ رہی؟ یہ ابن سبار کون تھا؟ جو مسلمانوں کی وسیع و عریض سلطنت میں آزادی کے ساتھ دوسرے اور علانیہ تقریریں کرتا رہا اور اپنی تبلیغات کے ذریعہ

حکومت کے خلاف لوگوں کو مشتعل کرتا رہا مگر موسیٰ تلواریں اس کا جواب تک نہیں دیتیں۔ اور حضرت عثمان کے صوبیدار و خیر خواہ اتنا بھی نہیں کر سکتے کہ اس کو پکڑ کر کہیں جلا وطن ہی کر دیں۔ جیسا کہ دوسرے مخالفین حکومت کے ساتھ برتاؤ کیا جاتا رہا۔

اس بات کو چھوڑیے اور غور کیجئے کہ کیا ابن سبار کے مرید علی کے وہی شیخ تھے جو پیغمبر اسلام کے مخلص صحابہ اور دین و اسلام کے ستون تھے۔ "حاشا وکلا" تو پھر اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر ابن سبار کوئی وجود رکھتا تھا تو اس کے پیرو بھی سستی ہی تھے۔ کیونکہ سنیوں کے اعتقاد کے مطابق تمام صحابہ رسول اہل سنت کے مسلک پر ہی گامزن تھے۔

اب تمام باتوں کے علاوہ ابن سبار کے عدم وجود پر جو واضح اور آشکارا دلیل پیش کی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر ابن سبار یہودی کوئی تھا اور وہ سیاست میں اس قدر دستگاہ کامل رکھتا تھا تو اصولاً یہودیوں کے ذخیرہ تاریخ میں بھی اس کا ذکر ملتا۔ حالانکہ تاریخ یہودیوں اس امر کا نشان تک نہیں کہ ابن سبار کا انجام کیا ہوا؟ اور اس کے پیرو کہاں گئے؟

یہ ہیں وہ سوالات جو ایک منصف مزاج اور غیر جانبدار انسان کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں۔

کتاب "الی مشیخۃ الازھر" تألیف استاد عبداللہ سبیتی طبع بغداد ۱۳۷۵ھ ص ۱۱۵

ماخوذ مکتبہ تشیع ۲۲۲۷ فارسی مطبوعہ قم

ڈاکٹر علی الورڈی پرفیسر  
بغداد یونیورسٹی (عراق)



ابن سبار کی مفروضہ کہانی کے متعلق بحث کرتے ہوئے اپنی کتاب "وعاظ السلاطین" میں ایک مخالف اسلام کا اعتراض بیان کرتے ہیں:-

"ایک روز ایک شخص اسلام سے مذاق کرتے ہوئے کہہ رہا

تھا کہ یہ کونسا دین ہے جو اپنی کامیابی اور فتوحات کی ہمہ گیری کے باوجود ایک مسافر اور بے کس انسان کے ہاتھوں شکار ہو جاتا ہے اور تاریخ اس کی اطلاع تک نہیں دیتی۔ اس وقت جبکہ اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سلطنت کے مالک تھے اور اپنے پیغمبر کی تعلیمات کو پھیلا رہے تھے ہم دیکھتے ہیں کہ اس وقت ایک یہودی نژاد غیر شعوری طور پر ان میں داخل ہو جاتا ہے، اور باوجود اصحاب پیغمبر قدرت و طاقت رکھنے کے اُس کو دور نہیں کر سکے۔ بلکہ خود اسی مردِ غریب کے شکاریں گرفتار ہو گئے"

(کتاب وعاظ السلاطین ترجمہ فارسی ص ۱۱۲)

ڈاکٹر موصوف اس کے بعد تحریر کرتے ہیں:-

"آیا ابن سبار کا وجود تھا یا وہ ایک وہمی شخصیت ہے؟ یہ سوال جو شخص کرنا چاہتا ہے اُس کو چاہیے کہ اسلام کی اجتماعی تاریخ کا مطالعہ کرے، اور اس کے فیصلوں کو عبرت کی نگاہ سے دیکھے۔ کیا ہمیں اجازت ہے کہ ہم اس سوال کو ایک دوسرے عنوان سے پوچھیں۔ کیا اس وقت اسلام کی اجتماعی حیثیت اس امر کی محتاج تھی کہ وہ فتنہ و فساد کے واقعات میں کسی اجنبی طاقت یا خارجی محرک کی دستِ نگر ہو؟ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ابن سبار کی داستان وضع کرنے والے مورخین کے خیال میں صدر اسلام کا معاشرہ اور اُس وقت کی اسلامی سوسائٹی بالکل اطمینان اور آرام و سکون سے زندگی بسر کر رہی تھی اور فتنہ و فساد

کا کوئی ایسا موضوع نہ تھا جو اس معاشرے کے قلق و اضطراب کا موجب بنتا۔ ہمارے خیال میں یہ مورخ اپنے افکار کی بست و کشاد میں ارسطو کے فلسفہ قدیم کے پیرو ہیں۔ ان کی نگاہوں میں کسی معاشرے اور ادائے کی انقلابی حرکت قاعدہ و قانون اور فطرت کے خلاف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کسی اجتماعی انقلاب کو یہ حضرات دیکھتے ہیں تو اس کی علت کے متعلق سوال کر دیتے ہیں۔ حالانکہ جدید فلسفہ اس بات کا اعتقاد رکھتا ہے کہ ہر اجتماعی ادارہ طبعی اور فطری طور پر تغیر اور حرکت کا متقاضی ہے۔ اور اس متغیر حالت کو علمی اصطلاح میں (PSOCPSS) کہتے ہیں۔ اسی لحاظ سے جدید فلسفہ کے حاملین جب کسی اجتماعی حیثیت کو رو بہ انقلاب دیکھتے ہیں تو وہ حیران نہیں ہوتے۔ بلکہ برخلاف اسکے اگر وہ اجتماعی ادارہ ساکت اور بے حرکت ہو تو جدید فلاسفر متعجب ہو کر تحقیق کرتے ہیں کہ ایسا کیوں ہوا؟

ابن سبیر کہ جسے ان تمام فسادات اور شورش انگیزی کا بانی اور محرک قرار دیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک موہوم شخصیت معلوم ہوتی ہے۔ جیسا کہ ڈاکٹر ظہ حسین نے بھی کہا ہے۔ اور ایسا ہی دکھائی دیتا ہے کہ اس عجیب شخصیت کو از خود بنالیا گیا ہے۔ یہ ذہنی تخلیق اس وقت تک گروہ کی ہے جس کی ضد میں یہ شورش بپا ہوئی۔ یہ طریقہ اور روش عموماً ایسے ہی طبقات کی ہوتی ہے جو وہ ہر تاریخی دور میں ارباب اقتدار کے خلاف انقلابیوں کے ساتھ کرتے رہتے ہیں۔ یہ بات تاریخ سے ثابت ہے کہ تاریخ کے ہر انقلابی موڑ پر انقلابی تحریک کے مخالفین اس کی تاثیر اور محرکات کو اجنبی آدمیوں سے ہی منسوب کرتے رہتے ہیں۔ پروفسر

سکل جو علم الاجتماع کا معروف محقق ہے۔ اس نے اس ذیل میں کافی تحقیق کی ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ "ابتدائے دعوت اسلام میں قریش نے پیغمبر اسلام پر یہ تہمت لگائی کہ محمد اپنی تعلیمات کو ایک جبرنامی عیسائی سے دریافت کرتا ہے اور جو کچھ بھی کہتا ہے وہ اسی عیسائی کی تعلیمات کے مطابق ہے۔" (کتاب زندگانی محمدؐ، مؤلفہ محمد حسین بیگلہ، ص ۱۳۶)۔ بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ پیغمبر اسلام کے مخالف ارباب طاقت نے آپ پر یہ بھی الزام لگایا کہ یہ محمد اپنے افکار و نظریات میں بحیرا سب اور سلمان الفارسی اور اسی طرح دوسرے لوگوں کا محتاج ہے۔" (شخصیات قلقلہ فی الاسلام ص ۳۳ عبد الرحمن بدوی)۔ مختصر یہ کہ پروفیسر سکل کے بیان کے مطابق ارباب اقتدار ہمیشہ انقلاب کے محرکات و عوامل کو اجانب سے ہی منسوب کرتے رہے۔ اس قسم کے الزامات کو تاریخ کے مختلف مراحل میں بخوبی دیکھا جاسکتا ہے۔" (کتاب نقش و عاظر در اسلام ص ۱۱۲-۱۱۵ ڈاکٹر علی الوردی)

"افسانہ گو مورخین نے حضرت عثمان کے خلاف فتنہ و فساد کے واقعات کو ابن سبأ کے سر تھوپا ہے جو یہودی تھا اور بن بلائے اسلام کو نقصان پہنچانے کے لئے حلقہ نگریش اسلام ہوا تھا حقیقت یہ ہے کہ عثمان کے زمانہ میں عثمانی حکومت کے عمال اور صوبیدار لوگوں کی عدم رضامندی اور ان شکایات کی وجہ سے جو سرمایہ دارانہ نظام کی تشکیل کی جہت سے عوام کی طرف سے ان پر کی جاتی تھیں پریشان اور ہراساں ہو گئے اور چار و ناچار ان شکایات کو ایک یہودی کی طرف منسوب کر دیا، جو اس لئے آیا تھا کہ اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ دشمنی کرے۔ گویا ان الزامات کی اشاعت سے عثمان کے ہوا خواہوں کا مقصد یہ

تھا کہ شورش کی علت اصلی اور فتنہ کے حقیقی اسباب پوشیدہ جا رہے ہیں۔ جن کارستانیوں اور اعمال کی نسبت عبداللہ بن سبار کی طرف دی جاتی ہے۔ ہمارے خیال میں تو اتنے اہم اور محال امور سوائے فوق العادت انسانوں کے یا جادو گروں اور شعبدہ بازوں کے ہتھکنڈوں کے کوئی سرا انجام نہیں دے سکتا یا ہو سکتا ہے کہ ان تمام لوگوں کو خواب غفلت میں مدبوش کر کے ایسا کر دیا گیا ہو۔

ان واقعات کو پڑھنے سے خیال پیدا ہوتا ہے کہ عبداللہ بن سبار کے پاس کوئی ایسی مفسناطیسی طاقت تھی کہ جس کی وجہ سے اس نے پتھروں کو بھی توڑ دیا یا پھر اس میں ایسی کوئی فوق العادت روحانی قوت موجود تھی کہ جس کی بناء پر لوگ اس کے سامنے بھیڑوں کی طرح مطیع ہو گئے اور بغیر اس کے کہ وہ کوئی حرکت کریں ابن سبار کی تمام باتیں ان میں اثر کر گئیں۔

اگر حضرت عثمان کے زمانہ میں کوئی ایسا فوق العادت انسان ظاہر ہوتا تو لازمی طور پر کسی نہ کسی ذریعہ اس کے اوصاف اور غلامتیں ہم تک بھی پہنچتیں۔ عجیب تر تو یہ ہے کہ وہ مستند مصادر کتب اور تاریخی مواد جو خصوصی طور پر مخالفت عثمان کے موضوع پر موجود ہے۔ اس میں کہیں بھی ابن سبار کا ذکر نہیں۔ ہم نے کسی بھی معتبر تاریخ میں کوئی ایسی فرضی داستان نہیں دیکھی جو ابن سبار کی کہانی کی طرح بے اثر اور لغویات کا طومار ہو۔ ان حالات میں ہمارا تو خیال ہے کہ ابن سبار نے تمام جہان کے گناہوں کو اپنے اوپر لے لیا ہے۔ اور اگر فی الواقعہ وہ کوئی شخصیت تھی تو بغیر اس کی مداخلت کے تمام جہان کے الزامات نے اس کی طرف

منہ کر لیا ہے۔ اور ان کی وجہ سے وہ رو رہا ہے اور اعتراض کر رہا ہے  
الغرض ابن سبار ہر حالت میں آرام سے نہیں بیٹھا ہوا۔ اس کی کوشش  
ہمیشہ جاری ہے۔ اور فرصت کو غنیمت شمار کرتے ہوئے وہ ہر آن قتلہ  
فساد کرانے پر آمادہ ہے۔ ممکن ہے کہ شخص العیاذ باللہ ابن سبار ہو جائے  
(کتاب نقش و عاظہ در اسلام ص ۱۳۱ فارسی ترجمہ بقلم محمد علی خلیل)

آیا عمار یاسر ہی تو ابن سبار نہیں؟  
ڈاکٹر علی الوردی پروفیسر بغداد یونیورسٹی  
کی پیش کردہ تحقیق سے اتنا تو پتہ چلا کہ

یہ فاضل دانشمند دوسرے محققین عصر کی طرح ابن سبار کے وجود کا تو قائل نہیں مگر اس  
سلسلہ میں ان کا خیال ہے کہ حقیقت میں حضرت عمار بن یاسر صحابی رسولؐ کو ہی حضرت  
عثمان کے ہوا خواہوں نے ابن سبار کے نام سے موسوم کیا تھا جو بعد میں غلط فہمی کی  
بنیاد پر ایک علیحدہ شخصیت سمجھ لی گئی۔ ان کے اس بیان کو ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں  
ملاحظہ ہو :-

”حضرت عمار یاسرؓ پیغمبر اسلام کا وہ جلیل القدر صحابی ہے جس کے  
باپے میں خود آنحضرتؐ نے بطور پیشین گوئی ارشاد فرمایا تھا ”یقنتلہ  
الفئۃ الباغیہ“ (اس کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا)۔ چنانچہ  
اس خبر کے مطابق حضرت عمار یاسرؓ جنگ صفین میں معاویہ کے ہاتھوں  
شہید ہوئے۔ حضرت عمار میدان صفین میں لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے  
احتجاج فرماتے ہیں :-

”اے بندگانِ خدا! اٹھو اور میرے ساتھ ہو کر اس شخص سے  
جنگ کرو جو ایسے شخص کے خون کا مطالبہ کرتا ہے جس کو اس نے خود بہایا  
ہے اور وہ کتابِ خدا کے خلاف حکومت کرتا تھا۔ لوگوں نے کہا کہ

اس نے کوئی تازہ بات تو از خود پیدا نہ کی تھی۔ حضرت عمار بولے !  
 ہاں ایسا ہی کہا تو جاتا ہے۔ مگر بات یہ ہے کہ حضرت عثمان نے ان  
 لوگوں کے لئے سامانِ عیش فراہم کیا۔ انہوں نے اس سے فوائد حاصل  
 کئے اور دنیا کی طرف متوجہ ہو گئے۔ خدا کی قسم! میرا یہ گمان نہیں ہے  
 کہ یہ لوگ حضرت عثمان کے خون کا مطالبہ کرتے ہیں۔ کیونکہ انہیں اچھی  
 طرح علم ہے کہ اس کے اعمال ہی ایسے تھے جن کی وجہ سے اس کا قتل  
 رونما ہوا۔ حقیقت یوں ہے کہ ان لوگوں کی فطرت اور مذاقِ طبیعت  
 میں لذتِ دنیا سما گئی ہے۔ اور یہ بات بھی ان کو اچھی طرح معلوم ہے  
 کہ اگر حکومت اسلامیہ کی باگ ڈور میری حق پرست کے ہاتھ میں رہے  
 تو وہ انہیں ان کے بڑے اعمال سے روکے گا اور ان کی دنیا کو ان کے  
 ہاتھ سے چھین لے گا۔ (کتاب "عمار یاسر" تالیف عبداللہ سبیتی ص ۵۷۰ و نقش و عا

در اسلام ص ۲۰۶)

ابن عربی نے "العوام والقوام" میں تحریر کیا ہے کہ :-

"حضرت عمار یاسر حضرت عثمان کے خلاف سخت تنقید کرتے تھے

اور برملا کہتے کہ عثمان اسلامی آئین سے انحراف کر چکا ہے۔ انہی امور  
 کے باعث بعض مورخین نے لکھا ہے کہ عمار سبائی تھا اور فرقہ سبائیہ  
 نے اس کو اپنے میں شامل کر لیا تھا تا کہ عمار کی وجہ سے وہ طاقت  
 حاصل کر لے۔" (العوام والقوام ص ۶۲)

فاضل ڈاکٹر علی الوردی اپنی کتاب میں ابن عربی کی عبارت لکھنے کے بعد  
 تحریر کرتے ہیں :-

"سوائے ابن عربی کے دیگر مورخین نے یہ جرات نہیں کی کہ وہ

عمار یاسر کو ابن سبار کا پیرو لکھیں اور صحابی رسول کے بارے میں وہ یہ نفرت آمیز روش اختیار کریں کیونکہ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ عمار یاسر وہی صحابی رسول ہے جس نے راہِ خدا میں بے شمار تکالیف کا سامنا کیا تھا، اور پیغمبر اسلام متعدد بار اس کی فضیلت میں طب اللسان ہوتے ہوئے عمار یاسر کا سبائی ہونا تو کجا، ہم آگے چل کر یہ ثابت کریں گے کہ عمار یاسر کو ہی ابن سبار کہا گیا ہے۔ (نقش و عاظہ در اسلام فصل ۷ ص ۲۱۰)

فاضل مذکور کا بیان ہے:-

”ممکن ہے کہ کوئی شخص یہ سوال کرے کہ ابن سبار وغیرہ کا حشر اس میدانِ شورش میں کیا ہوا جبکہ حضرت عثمان کے خلاف رونما ہونے والے واقعات میں اور ان کے بعد کے فتنہ و فساد میں اس کو موجود بیان کیا جاتا ہے۔ مگر جنگِ صفین (جس میں عمار شہید ہوئے) میں اس کا نام و نشان بھی نہیں ملتا اور یہ خطرناک اور شعبدہ باز انسان صفین کے مقتولوں میں بھی نظر نہیں آتا؟

مورخین اس سلسلہ میں قطعاً خاموش ہیں اور حیرت و استعجاب کی وجہ سے کوئی جواب نہیں دے سکے۔ اصل بات یہ ہے کہ ابن سبار جنگِ صفین میں کہیں غائب نہیں ہو گیا تھا۔ کیونکہ اس کا تو وجود ہی نہیں تھا جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں تو اس لحاظ سے اس کا غائب ہونا یا ظاہر ہونا کیسا؟ ہم تو بس ایک ہی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ابن سبار کی داستان اول سے آخر تک بنائی گئی ہے، اور نہایت چالاک اور مکر و فریب سے اس کو مکمل کیا گیا ہے۔ کیونکہ قریش فقط سیاست میں ہی چالاک نہ تھے بلکہ وہ اس قسم کی داستانوں کو اختیار کے قالب میں ڈھالنے کے بھی

پولے پولے ماہر تھے۔ حضرت عثمان کے زمانہ میں قریش اپنی مخصوص مجالس میں عمار بن یاسر کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کو سب و شتم بھی کیا کرتے تھے اور اسے ابن السودا کے نام سے ہی پکارا کرتے ہو سکتا ہے کہ کسی راوی نے ان کی باتوں کو سنا ہو اور وہ یہ سمجھا ہو کہ ابن السودا (ابن سبار کا ہی لقب تجویز کیا گیا ہے) عمار یاسر سے کوئی الگ شخصیت ہے۔ پھر اس سلسلہ کو روایت کے طور پر آگے بیان کر دیا ہو حالانکہ قریش کا مقصد ابن السودا سے عمار یاسر ہی تھا۔ اصلی بات کا کسے علم ہو سکتا تھا۔ ممکن ہے کہ ابن سبار کے متعلقہ افسانے ابتدا و ہم و گمان پر مبنی ہوں اور بعد میں رفتہ رفتہ ان کو افسانوی انداز میں ترتیب دے لیا گیا۔ یہ امر کوئی تعجب خیز نہیں ہے۔ بہت سی باتیں جو ابن سبار اور سبائین کے متعلق مورخین نے بیان کی ہیں ان میں سے اکثر و بیشتر حضرت عمار یاسر کے قول و فعل اور سیاسی کردار سے کافی حد تک ہم آہنگ نظر آتی ہیں۔ ہم ان بعض امور کو جو حضرت عمار سے سرزد ہوئے اور جن کی مشابہت بدرجہ اتم ابن سبار سے منسوب اعمال کے ساتھ پائی جاتی ہے۔ اور جن کی وجہ سے حضرت عمار یاسر کو ابن سبار خیال کر لیا قرین قیاس ہو سکتا ہے۔ ذیل میں سلسلہ وار درج کر کے بتا دینا چاہتے ہیں کہ یہی وہ امور ہیں جن کی مماثلت سے ابن سبار اور عمار یاسر کو ایک ہی شخصیت سمجھ لیا گیا۔

① — ابن سبار کا لقب ابن السودا بھی تھا اور ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عمار کو بھی ابن السودا کی کنیت سے یاد کیا جاتا ہے (فاضل مؤلف نے اپنی کتاب کے اول میں قریش کے ان تمام اقوال کو نقل کیا ہے جن کی بنا پر عمار یاسر کو ابن السودا کے لقب سے ان کا پکارنا ثابت ہوتا ہے)۔

② — حضرت عمار کا باپ مین سے تھا اور سبار کے لوگوں میں سے تھا۔ اور یہ





۶۔ ابن سبأ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ علانیہ لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کرتا تھا کہ عثمان خلافت کے بارے میں غاصب ہے۔ اور اصل میں یہ حق علی ابن ابی طالب کا ہے۔ ابن سبأ کا یہ اظہار سنو ہو غمار یا سر کے عقیدہ کے مطابق ہے۔ کیونکہ حضرت عثمان نے بھی بیعت عثمان کے سلسلہ میں مسجد نبوی میں اس قسم کی تقریر کی تھی اور علانیہ لوگوں کو کہا تھا کہ اسے قریش! خلافت امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب کا حق ہے اور تم نے امر خلافت کو پیغمبر کے خاندان سے خارج کر دیا ہے۔ تم کبھی کسی کو خلیفہ بناتے ہو اور کبھی کسی کو اس سلسلہ میں مٹھی یہ بھی گمان ہے کہ امر خلافت کو خدا تم سے اسی طرح لے کر غیر کو دے دیگا جس طرح تم نے اہل بیت رسالت سے امر خلافت کو لے لیا اور غیر مستحق کے حوالے کر دیا۔

(کتاب اهل البيت تألیف عبد الحمید جودۃ السخار مصری ص ۶۶)

۷۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ واقعہ جمل میں عبداللہ بن سبأ نے اہم پارٹ ادا کیا تھا وہ اس طرح کہ جب فریقین کی صلح ہونے لگی تو اسی ابن سبأ نے خفیہ سازشوں سے صلح کو جنگ کی صورت میں تبدیل کر دیا جس شخص نے جنگ بصرہ کے تفصیلی حالات کو بغور پڑھا ہے اسے علم ہے کہ حضرت عثمان نے حضرت علیؑ کی طرفداری میں اس جنگ میں کوئی دقیقہ بھی فرو گذاشت نہیں کیا تھا۔ اور یہ بات بھی اظہار من الشمس ہے کہ حضرت عثمان نے امام حسنؑ اور مالک اشتر کے ساتھ کوفہ میں جا کر تقریروں کے ذریعہ امام حق کی بیعت اور مخالفین کے ساتھ لڑنے کی ترغیب دیکر امیر المؤمنین کی فوج میں کافی اضافہ کیا تھا۔

۸۔ مورخین و افسانہ تراشوں نے یہاں تک بھی لکھا ہے کہ ابن سبأ نے ہی

حضرت ابو ذر غفاریؓ ایسے جلیل القدر صحابی رسولؐ اشتر اکیت کی تعلیم دی تھی جہاں تک ابو ذر و عمار یا سر کے روابط باہمی کا تعلق ہے وہ بیشک مضبوط تھے ان دونوں حضرات میں عقیدے کی یگانگت اور ایک مکتب فکر کے ساتھ انسلاک بدرجہ اتم پایا جاتا ہے۔ اور حقیقت اپنے مقام پر واضح ہے کہ یہ دونوں بزرگوار حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کے ساتھ سیاسی و مذہبی موقف کے اعتبار سے ضرور وابستہ تھے۔ مگر حضرت ابو ذر اس امر کے محتاج نہ تھے کہ ابن سبار ان کو یہ سکھائے کہ خراج مسلمین کو مال خدا کہا جائے۔ اس سلسلہ میں اگر یہ کہا جائے کہ اس قسم کی تعلیمات حضرت علیؓ و عمارؓ نے ابو ذرؓ کو سکھائی تھیں تو یہ زیادہ بہتر ہوگا۔

مندرجہ بالا آٹھ عنوانوں میں جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے یہ سب تاریخی حقائق ہیں نتیجہ کے طور پر ان مندرجات سے یہ استنباط کیا جاسکتا ہے کہ ان تمام امور میں حضرت عمار یا سر اور ابن سبار کے حالات میں بدرجہ اتم مشابہت پائی جاتی ہے۔ اس لحاظ سے اگر ہم یہ کہیں کہ ابن سبار یعنی ابن السواد سوائے عمار یا سر کے کوئی اور دوسرا شخص نہیں ہے تو حقیقت ہوگی۔ کیونکہ قریش فتنہ و فساد کے واقعات میں (جو مخالفت عثمان کے سلسلہ میں صورت پذیر ہوئے تھے) حضرت عمار یا سر کو کافی حد تک ذمیل خیال کرتے تھے۔ بلکہ اس تمام شورش کا بانی مبنی حضرت عمار کو لکھی سمجھتے تھے۔ اول اول تو یہ لوگ حضرت عمار کا نام ابن سبار کے عنوان سے نہیں لیتے تھے کیونکہ اس بزرگ صحابی رسولؐ کی دینی منزلت اور اسلامی وجاہت ان کے ارادوں میں مانع تھی۔ مگر کبھی وہ اپنی خصوصی مجالس میں رمز و اشارے کے طور پر عمار یا سر کو ابن السواد کے لقب سے ضرور یاد کیا کرتے تھے۔ انہی روایہ و ناقلین اخبار نے ان حالات کو سنا تو نبیر اس کے وہ قریش کے رمز و کنایہ کو سمجھیں ابن السواد کو

عمار یا سر سے ایک الگ شخصیت خیال کر لیا۔ اور یہ تحقیق نہ کی کہ قریش کے ان اقوال و حکایات کا پس منظر کیا ہے۔ چنانچہ جیسا سنا ایسا ہی منتشر کر دیا۔

(ملخص کتاب نقش و عاظ در اسلام فصل ۷ صفحات ۲۱۲ - ۲۱۳ - ۲۱۴ - ۲۱۵)

مؤلفہ ڈاکٹر علی الوردی پروفیسر بغداد یونیورسٹی ماخوذ از مکتب تشیع علامہ محمد حسین الطباطبائی

مطبوعہ قم (ایران) ص ۳۱۸ ص ۳۲۱

## شمعی فاضل سنا علماء الطباطبائی کا اعتراف

استاد علامہ آقائی حاج سید محمد حسین طباطبائی تبریزی عہد حاضر میں ایران و عراق کے مشاہیر اور مقتدر شیعہ علماء میں سے ہیں۔ اور علوم فقہ، اصول، تفسیر، فلسفہ وغیرہ میں کافی دستگاہ رکھتے ہیں۔ ان کے شیوخ و اساتذہ آقا سید ابوالحسن اصفہانی آیت اللہ نائینی شیخ محمد حسین اصفہانی وغیرہ متبحر شیعہ علماء و مجتہدین ہیں۔ فاضل طباطبائی کا ان بزرگوں سے شرف تلمذ ہی اس بات کی ضمانت ہے کہ یہ خود علمی طور پر بلند مقام پر فائز ہیں۔ آج کل حوزہ علمیہ قم (ایران) میں علوم محمد و آل محمد علیہم السلام کی نشر و اشاعت اور درس و تدریس میں مشغول ہیں اور سینکڑوں فضلا ان کے حقیقہ و دانش سے سیراب ہو رہے ہیں۔ باوجود درس و تدریس وغیرہ اہم مشاغل کے تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی شروع کر رکھا ہے۔ اس سلسلہ میں ان کی تفسیر "المیزان فی تفسیر القرآن" (عربی) جو پچیس جلدوں تک ختم ہوئی ہے اور ہر جلد کم و بیش چار صد پچاس صفحات پر مشتمل ہے موجودہ دور میں گرانقدر علمی شاہکار ہے۔ اس تفسیر کی آٹھ جلدیں ابھی تک طبع ہوئی ہیں۔ اور باقی غیر مطبوع ہیں۔ اس کے علاوہ اصول فلسفہ، حاشیہ مکاسب، حاشیہ کفایۃ الاصول، حاشیہ اسفار ملاء صدرا، اور بعض دیگر علمی رسائل بھی ان کے اہم

تالیفات سے ہیں جن میں کچھ تو چھپ چکے ہیں اور کچھ ابھی تک طبع نہیں ہوئے۔ خدا کرے یہ سارا علمی سرمایہ زیور طباعت سے آراستہ ہو کر جلدی قدر دانوں کے پاس پہنچے۔  
فاضل علامہ یاس ہبہ کثرت مشاغل علمیہ ایک سہ ماہی مجلہ علمیہ کے سرپرست بھی ہیں جس کا نام "مکتب تشیع" ہے۔ اس مجلہ کا ہر سال ایک خاص اور ضخیم نمبر شائع ہوتا ہے جس میں مختلف علمی موضوعات پر فاضل علامہ کے قلم سے بحث ہوتی ہے۔

پہلا خاص نمبر تو ہم تک نہیں پہنچ سکا مگر دوسرا سالنامہ تو وسط جناب حجۃ الاسلام مولینا محمد حسین صاحب قبلہ پرنسپل مدرسہ محمدیہ گوردھا جو عراق سے ابھی ابھی فارغ التحصیل ہو کر تشریف لائے ہیں ہمیں موصول ہو چکا ہے۔ اس علمی ذخیرہ میں شیعہ مکتب فکر کا کافی حد تک تعارف کرایا گیا ہے اور فاضل استاد علامہ طباطبائی کے وہ عملی مذاکرات جو فرانسیسی مفکر ریڈ فیس بائری کر بن کے ساتھ ہوئے ہیں ان کو اس رسالہ میں بغرض استفادہ عام شائع کیا گیا ہے اور اس موضوع و علمی دستاویز کی اہمیت کے پیش نظر اس سالنامہ کو انگریزی، فرانسیسی، عربی اور فارسی ہر چہاں زبان میں پیش کیا گیا ہے۔ خداوند عالم ہمیں توفیق دے کہ ہم اس کا اردو عکس بھی شائع کر سکیں۔  
چنانچہ ان علمی مباحث کے باب توضیحات ہیں "عبداللہ بن سبا" کے عنوان پر بھی بحث کی گئی ہے اور ہماری پیش نظر تالیف کے موضوع کے مطابق یہ ثابت کیا گیا ہے کہ عبداللہ بن سبا کی ساری داستان بنی بنائی ہے۔ ہم نے بھی ان مندرجہ کتاب سے کافی استفادہ کیا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اگر ہم ان مباحث کا خلاصہ اپنی اس کتاب میں ناظرین کے سامنے پیش نہ کرتے تو ہماری تالیف کسی حد تک نشہ تکمیل رہ جاتی۔

عبداللہ بن سبا کے عدم وجود پر بحث کرتے ہوئے علامہ طباطبائی نے ڈاکٹر طاہر حسین مصری، مرتضیٰ عسکری نجف، پروفیسر علی الوردی بغداد، علامہ شیخ محمد حسین

آل کاشف الفطار اور استاد علامہ عبداللہ سیستانی (عراق) کے نظریات و بیانات کے اقتباسات کو بھی پیش کیا اور اپنی تحقیقات کا خلاصہ ذیل کے الفاظ میں تحریر فرمایا ہے :-

” ابن سبار اور سبائین کی داستان کے متعلق مورخین و تذکرہ نویسوں

نے قریباً ہزار سال سے بہت کچھ لکھا ہے۔ اور ایسے ایسے افکار و نظریات

اور عقائد وغیرہ کو ان سے نسبت دی ہے کہ بقول ڈاکٹر علی الوردی مصنف

کتاب ”وعاظ السلاطین“ تمام جہان کے گناہوں کو ابن سبار اور اس کے

نام نہاد متبعین کی گردن میں ڈال دیا گیا ہے۔ قبل اس کے کہ خود ابن سبار کے

وجود کے بارے میں ہی تحقیق کر لی جاتی ان تذکرہ نویسوں کے تالیفات میں

اگر نگاہ ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد قریب کے دو صد سال

کے عرصہ میں کوئی ایسی کتاب جو تاریخ اسلام و سیر صحابہ کے عنوان سے

لکھی گئی ہے نہیں ملے گی۔ مگر یہ کہ اس میں ابن سبار وغیرہ کے فرضی قصوں کا

وجود نہ پایا جاتا ہو۔ ہم اس مقام پر بطور اجمال قرون گذشتہ اور عصر حاضر

کے مورخین و مؤلفین کے وہ بیانات جو افکار و عقائد کے سلسلہ میں ابن سبار

اور سبائین وغیرہ سے منسوب کئے گئے ہیں نقل کرتے ہیں اور اس کے

بعد مختصر طور پر اس داستان سرائی کا تاریخی تجزیہ اور ابن سبار کے فرضی وجود

پر تاریخ و روایت کی روشنی میں بحث کریں گے۔“

اس بیان کے بعد فاضل علامہ نے مورخین و مصنفین کے ان وحشت خیز

بیانات کو قلمبند کیا ہے جو ابن سبار وغیرہ کے متعلق بیان کئے جاتے ہیں۔ ہم تکرار کے

خیال سے ان بیانات کو یہاں نقل کرنے سے گریز کرتے ہیں کیونکہ اس تالیف کے

ابتدائی صفحات میں ان کو تفصیلاً لکھا جا چکا ہے۔

اس سلسلہ میں قریباً سولہ سترہ عنوانات کے تحت فاضل مذکور نے ان تمام

ہولناک باتوں اور مورخین کے خرافات کو پیش کر کے شیعہ سنی محققین کے اقتباسات کو اپنی بحث کی تائید میں تردیداً نقل فرمایا ہے۔ اور جن کو ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ آخر کلام میں فاضل علامہ کے اپنے الفاظ اس طرح ہیں :-

” آیا عبد اللہ بن سبار کوئی شخصیت تھی یا یہ محض وہی چیز ہے؟ یہ

ایک سوال ہے جس کا جواب پورے غور و غوض اور کامل تحقیقات کے بعد قطع نظر شیعہ خیالات کے خود اہل تسنن کے بعض فضلائے عصر نے نہایت وثوق اور اطمینان سے دیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ قصہ ابن سبار اور اس کے

متعلق بے سرو پا کہانیاں شیعہوں کے مخالفین نے وضع کی ہیں۔ اور امتداد

زمانہ کے ساتھ ساتھ ان کو خوب بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہے۔ یہاں تک کہ

جلیل القدر صحابہ رسول کو بھی ابن سبار کی تبلیغات کا مرکز قرار دیا گیا۔

ہم اس مقام پر طول طویل بحث کو چھوڑنا نہیں چاہتے۔ صرف مختصر طور پر

عرض کر دینا ضروری ہے کہ جو کچھ اس سلسلہ میں عصر حاضر کے محققین کی نظر پر

سے ہم تک پہنچا ہے وہ نتیجہ کے طور پر فقط اتنا ہی ہے کہ ابن سبار کا وجود

کبھی تھا ہی نہیں۔ یہ صرف دعویٰ ہی نہیں بلکہ اس بحث میں تاریخی تجزیہ

کرنے والوں نے کافی دلائل مہیا کئے ہیں۔ جن میں سے کچھ تو ہم اپنی بحث

میں پیش کر چکے ہیں اور مزید تفصیلات کو کسی دوسرے وقت کے لئے

اٹھا رکھا ہے۔“ (رسالہ مکتبہ شریعہ فارسی سالانہ نمبر جلد دوم ص ۱۹۲ مطبوعہ قم ایران)

مؤلفہ علامہ سید محمد حسین طباطبائی صاحب تفسیر المیزان

آیت اللہ العظمیٰ کا شرف الغطار کا کیا خیال ہے؟  
حوزہ علمیہ نجف کے نامور محقق علامہ  
شیخ محمد آل کا شرف الغطار اعلیٰ اللہ

مقامہ کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ یہ وہ بلند شخصیت ہے کہ جس کی علمی تحقیقات کا

نوبہ مصری دنیا بھی تسلیم کر چکی ہے۔ ان کے علمی جواہر پائے عالم اسلام اور خصوصاً شیعہ دنیا کے لئے اہم مصادر ہیں۔ شیعہ موقف اور امامیہ مکتب فکر کے تعارف کے سلسلہ میں ان کی مختصر مگر جامع تالیف "اصل الشیعہ و اصولہا" شیعہ، سُنی اور مستشرقین یورپ سے بھی خراج تحسین حاصل کر چکی ہے۔ اور اس کا ترجمہ اردو درضا کار بکڈ پولامپور کے اہتمام سے معیاری طباعت کے ساتھ پاکستان میں شائع ہو چکا ہے۔ اور ایران میں فارسی ترجمہ بھی طبع ہو چکا ہے۔

چنانچہ اس اپنی تالیف کے ابتدائی صفحات میں شیخ مرحوم ایک مقام پر احمد امین مصری صاحب فخر الاسلام کا علمی تعاقب کرتے ہوئے عبداللہ بن سبار کی داستان کے متعلق لکھتے ہیں :-

” اس سلسلہ میں بعض حضرات کی یہ رائے ہے کہ عبداللہ بن سبار مجنون عامری اور ابو بلال وغیرہ داستان سراؤں کے خیالی ہیرو ہیں۔ اموی اور عباسی سلطنتوں کے وسطی دور میں عیش و عشرت اور لہو و لعب کو اتنا فروغ حاصل ہو گیا تھا کہ فسانہ گوئی محل نشینوں اور آرام طلبوں کا جزو زندگی بن گئی تھی۔ چنانچہ اس قسم کی کہانیاں بھی ڈھل گئیں۔“

(کتاب اصل الشیعہ و اصولہا (عربی) ص ۵۸ طبع ہشتم۔ فارسی ترجمہ ص ۷۵ ترجمہ

اردو اصل و اصول شیعہ ص ۷۱)

## فائل جلیل مدبر اصلاح کی تحقیقات

ادارہ اصلاح کچھ ضلع سارن (انڈیا) کے علمی اور مذہبی خدمات کا سلسلہ خدا کے فضل سے اس کے گزشتے زمانہ میں بھی بدستور جاری ہے۔ اور یہ سلسلہ اس علمی خانوادہ کا اس وقت سے جاری ہے جبکہ ہندوستان میں شیعیت اپنے ابتدائی دور میں تھی۔ اس



خاندان کے دفاعی خدمات اور تبلیغی قوتوں میں آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ فاضل  
اجل مولانا سید محمد یاقوت نقوی صدر الافاضل مدیر اصلاح کچھوہ اپنے آبا و اجداد کی طرح  
سچے اللہ ان خدمات کو بدستور جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ان دیگر اہم تالیفات کے علاوہ  
موجودہ روشنی کے دور میں سوانح عمری حضرت امیر المؤمنینؑ ایک بہت بلند علمی شاہکار  
ہے، جو کئی جلدوں پر مشتمل ہے اور سلسلہ تحریر ابھی تک جاری ہے۔ خداوند عالم  
انہیں مزید توفیقات عطا فرمائے۔

پچھلے دنوں محمود عباسی نے جب "خلافت معاویہ و یزید" نامی کتاب شائع  
کی تو فاضل مذکور نے نہایت عجلت کے ساتھ اس کا جواب "اموی دورِ خلافت"  
کے نام سے شائع کر دیا۔ اس جوابی کتاب میں جہاں محمود عباسی کے دیگر خرافات کا  
جواب دیا گیا، وہاں ابن سبار اور سبائین کے متعلق بھی یہ ثابت کر کے دکھایا گیا کہ یہ  
داستان سرتاپا فرضی اور من گھڑت ہے۔ اس سلسلہ میں فاضل ہم عصر نے ڈاکٹر طاہر حسین  
کی کتاب "الفتنہ الکبریٰ" اور علامہ مرتضیٰ عسکری نجف عراق کی تالیف "عبداللہ بن سبا"  
بہر دو کتابوں کو ہی اپنا ماخذ قرار دیا ہے۔ اور ایک مستقل عنوان کے تحت ان ہر دو مفکرین  
کے مندرجات کو پیش کر کے ابن سبار کے عدم وجود پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔  
ہم نے اپنی پیش نظر تالیف میں اکثر و بیشتر مقامات پر "اموی دورِ خلافت" کو ہی سامنے  
رکھا ہے۔

چنانچہ فاضل مذکور اپنی بحث کے خلاصہ کو ایک مقام پر اس طرح لکھتے ہیں:-

"حقیقت یہ ہے کہ ابن سبار نام کا کوئی شخص تاریخ اسلام میں

گذرا ہی نہیں۔ یہ ساری مصیبت سیف بن عمر ایک راوی کی ہے جس

نے ابن سبار تو ابن سبار بہت سے ایسے فرضی صحابی بنا لئے ہیں اور

ان کے نام سے فرضی روایتیں بیان کی ہیں جو کبھی پیدا ہی نہیں ہوئے

تھے۔ بلا استثناء تمام مورخین نے خواہ وہ عرب کے ہوں یا عجم کے، یا  
یورپ کے مستشرقین، سبھی نے ابن سبار کے قصہ کو طبری سے نقل کیا ہے  
اور طبری نے سری ایک شخص سے معلوم کیا اور سری نے سیف ابن عمر سے  
سیف ابن عمر سے اس قصہ کو بیان کیا اور اسی نے شہرت دی۔

سیف ابن عمر زمانہ ہارون الرشید میں مشہور ہے۔ اس کے پہلے  
جتنے راوی تھے کسی نے بھی ابن سبار کا نام تک نہیں لیا۔ اور طبری کے  
پہلے جو کتابیں تصنیف ہوئیں ان میں ابن سبار کا ذکر تک نہیں۔ طبری کے  
بعد اکثر مورخین نے اس قصہ کو سلسلہ اسناد کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اور  
بلا واسطہ یا بالواسطہ طبری تک سلسلہ اسناد کو منتهی کیا ہے۔ کچھ مورخین  
ایسے بھی ہیں جنہوں نے اپنی کتابوں میں اس قصہ کو بغیر سند یا بغیر حوالہ لکھا ہے  
لیکن کتاب کے شروع یا آخر میں مصادر کتاب کی فہرست میں طبری کا نام  
لکھا ہے یا ان کتابوں کے نام کی صراحت ہے جو طبری سے لکھی گئیں۔  
ان تمام باتوں سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ طبری  
ہی سے ابن سبار کے اس قصہ کی بنیاد پر سب سے پہلے انہیں نے  
اپنی کتاب میں اس قصہ کو لکھا اور بعد میں آنے والے مورخین نے ان پر  
حیرت انگیز حد تک اعتماد و وثوق کرتے ہوئے آنکھ بند کر کے اس قصہ  
کو اپنی کتابوں میں نقل کر دیا۔ (کتاب اموی دور خلافت ص ۲۸ مؤلف سید  
محمد باقر نقوی مدیر اصلاح کچھوہ مطبوعہ لکھنؤ انڈیا)۔

## شیعہ کتب رجال اور ابن سبیر

شیعوں کے مخالفین نے جو تہمتیں اور الزام تراشیاں مذہب شیعہ پر عائد کیں وہ کوئی ایک دو نہیں۔ بلکہ ہم اگر ان کو جمع کریں تو ایک مستقل تالیف کی ضرورت ہوگی۔ خاندان رسالت اور ان سے وابستہ افراد کی دینی پوزیشن اور ان کے طرز معاشرت کو داندرا اور بھیانک صورت میں دکھانے کے لئے جو کچھ کیا گیا وہ تاریخ کا ایک مستقل باب ہے۔ عقیدہ ائمہ کثوم اور تعددِ بناتِ رسول وغیرہ ایسے مسائل بطور مثال پیش کئے جاسکتے ہیں۔ ان خلافِ عقل و نقل واقعات کو اتنی ہمہ گیر شہرت دی گئی اور تاریخ میں نہایت چالاکانہ مروط کر دیا گیا کہ بعض شیعہ مورخین و مصنفین بھی مرعوب ہو گئے اور اپنے اپنے مصنفات میں جگہ دیدی۔ اور یہ نہایت افسوس کا مقام ہے کہ مخالفین نے تو تعصب برتا، مگر بعض شیعہ بھی غیر شعوری طور پر ان باتوں کو لکھ بیٹھے۔ اس سلسلہ میں یہ بات بھی اپنے مقام پر مسلم ہے کہ ایک دو سو سال کے عرصہ میں مختلف قوم کے مؤلفین اور سیرت نگاروں نے بھی اسلامی تاریخ کو ہی جو لانگاہ بنایا اور شیعہ سنی نظریات کو اپنی طرف سے رنگ دیکر خوب بڑھا چڑھا کر بیان کیا خصوصاً استعماری طاقتیں اس سلسلہ میں پیش پیش تھیں۔ کیونکہ ان کا تو مقصد ہی صرف یہ تھا کہ مسلمان قوم کی کچھتی اور گناہت پارہ پارہ ہو جائے بغیر واقعات کی چھان بین اور حقیقت رسی کے جن شیعہ مؤلفین اور ائمہ رجال نے ابن سبیر کے وجود کو لکھا ہے ہم ان کو معذور خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ جس ماحول میں ابن سبیر اور شیعیت کی مخالفت کی داستانوں اور قصوں کو اعتبار کے قالب میں ڈھالا جا رہا ہو تاریخ و روایت کی تدوین اسلامی حکومتیں اپنے زیر اثر مدون کروا رہی ہوں اور زر و مال اور قہر و غلبہ سے ان بے سرو پا واقعات کو پروان چڑھایا جا رہا ہو تو وہاں کسی شیعہ کا برملا انکار کرنا اور نہ ماننا "طلوٹی کی آواز نقار خانے میں" کے مترادف نہیں تو اور کیا ہے۔

بہر حال یہ ضرور ہے کہ شیعہ علمائے رجال نے بھی ابن سبار کے وجود کو اپنی کتابوں میں لکھا، مگر پھر بھی اس طرح نہیں جیسا کہ ان کے مخالفین نے مبالغہ کے ساتھ تمام شیعہ عقائد کو ابن سبار کی طرف منسوب کیا۔ اور حضرت عثمان کے خلاف تمام فتنہ و فساد کے واقعات کو اس مہموش شخصیت کے سر کھوپا۔

ہم ذیل میں چند ایک شیعہ تصریحات ابن سبار کے متعلق جو مقتدر علمائے رجال نے پیش کی ہیں درج کر کے واضح کرتے ہیں کہ عبداللہ بن سبار کا وجود خارجی بالعرض اگر ہو یا وہ محض عالم خیال اور افسانہ تراشی کا عنوان ہی ہو جیسا کہ سابقہ توضیحات میں ہم نے ثابت کیا ہے۔ پھر بھی یہ بات کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ابن سبار کے غالبانہ اور کفر و زندقہ سے ملے جلے افکار و عقائد کو شیعیت سے تعبیر کرنا شیعوں کے مخالفین کی ایک زبردست جسارت ہے۔ بہم شیعہ معتقدات کے ضمن میں یہ ثابت کر چکے ہیں کہ شیعوں کے اعتقادات کوئی اسلام کے متضاد نظریات نہیں ہیں بلکہ شیعیت ہی عین اسلام ہے۔ اور شیعہ اسلام کا دوسرا نام ہے۔ جس طرح ابن سبار اور سبائین کو غلو کے مقام پر بیان کیا جاتا ہے شیعہ اس سے قطعی طور پر بیزار ہیں اور واضح الفاظ میں چیلنج کرتے ہیں کہ شیعیت کا سبائی فلاح سے ذرہ بھر بھی واسطہ نہیں۔ غالیوں کے جن عقائد کو شیعوں سے نسبت دیکھتی ہے وہ سب کی سب شیعہ محققین کے نزدیک لغو اور باطل ہیں، اور تمام شیعہ علمائے کرام قطعی طور پر ابن سبار اور سبائی عقائد سے بیزار ہیں۔ چنانچہ شیعہ مکتب فکر کے عظیم دانشمند علامہ شیخ محمد حسین آل کاشف الغطار اعلیٰ اللہ مقامہ ارشاد فرماتے ہیں :-

”عبداللہ بن سبار کہ اس کو شیعہ اور شیعہ کو اس کے ساتھ چسپاں کیا جاتا ہے۔ شیعہ کی تمام موجودہ کتب اس بات پر شاہد ہیں کہ ابن سبار غالی اور ملعون تھا اور تمام شیعہ علمائے نے اس پر لعنت کی صراحت

کی ہے اور اس کے خیالات سے بیزاری اختیار کی ہے۔ بلکہ سے ہلکی عبارت  
 بوشیعہ علمائے رجال نے اس کے بارے میں تحریر کی ہے وہ یہ ہے  
 کہ ”ان عبد اللہ بن سبا“ العن من ان پیدا کر“ (عبداللہ بن سبا  
 ایسا ملعون ہے کہ اس کا ذکر بھی کیا جائے۔)“

(اصول شیعہ، عربی، ص ۵۵ طبع نجف)

شیخ مرحوم کے علاوہ متقدمین میں سے سرکار علامہ علی اعلی اللہ مقامہ نے  
 حسب ذیل الفاظ سے ابن سبا کو تحریر کیا ہے۔

”عبداللہ بن سبا، فحالی ملعون ہے۔ امیر المؤمنین نے اُسے آگ

میں جلا دیا تھا اور اس کا یہ عقیدہ تھا کہ علی خدا ہے اور وہ خود نبی ہے۔ خدا

اس پر لعنت کرے۔“ (کتاب تاریخ الشیعہ، ڈاکٹر حسین علی ص ۹)

نیز یہ عبارت محمد بن علی الاروہیلی نے اپنی کتاب جامع الرواۃ جلد ۱ صفحہ ۲۸۵ طبع  
 اول میں لکھی ہے۔ اور خاتم المحدثین شیخ عباس قمی نے بھی تحفۃ الاحباب صفحہ ۱۸۲ مطبوعہ  
 طہران میں بذیل تذکرہ عبداللہ بن سبا، تحریر کی ہے۔

غرضیکہ متقدمین ہوں یا متاخرین، سب شیعہ علماء نے ابن سبا کو انہیں الفاظ سے  
 یاد کیا ہے۔ قطع نظر شیعہ علماء کے بیانات کے اگر خود جمہور مسلمین کے علماء کی تحقیقات  
 پر نگاہ ڈالی جائے اور سابقہ قرون و اعصار کے تمام تاریخی ذخیرہ کو دیکھا جائے تو  
 پتہ چلتا ہے کہ جن لوگوں نے ابن سبا کے وجود کو تسلیم کیا ہے انہوں نے ساتھ ہی  
 اس بات کی بھی تصریح کر دی ہے کہ عبداللہ بن سبا کے خالیانہ عقائد اور وحشت خیز  
 نظریات کی تردید خود امیر المؤمنین علیہ السلام نے اور ان کی اولاد امجاد اور ان کے  
 شیعوں نے بھی علی طور پر کی جیسا کہ فرانسسیسی مورخ پروفیسر گو یار و اپنی کتاب میں سلامی  
 فرقوں کی تقسیم بندی کے ذیل میں شیعہ مسلک کا تعارف کراتے ہوئے لکھتا ہے:-

”حضرت علیؑ کے زمانہ میں عبداللہ بن سبار نام کا ایک شخص جو پہلے یہودی تھا مسلمان ہوا۔ اُس نے دامادِ پیغمبر حضرت علیؑ علیہ السلام کے بائے میں الوہیت کا دعویٰ کیا۔ مگر اس قسم کے عقائد کی تردید فوراً ہی حضرت علیؑ اور ان کی اولاد کی طرف سے ہوئی۔ حتیٰ کہ خود ان کے مخلص شیعوں نے بھی عبداللہ بن سبار کو مردود قرار دیا۔“

(کتاب سازمانہائے تمدن ابراہامی اسلام ترجمہ فارسی مطبوعہ طہران)

بہر حال یہ ثابت ہو چکا کہ اگر ابن سبار کا کوئی وجود تھا تو وہ غالی تھا جس کا شیعیت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ شیعوں کے شدید ترین مخالفین بھی جہاں اس کا ذکر کرتے ہیں وہ یہی لکھتے ہیں کہ ابن سبار ملعون غالبوں کا سرغنہ تھا۔ اس مقام پر یہ ذکر کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ علمائے شیعہ نے قطع نظر اس کے کہ ابن سبار غالی تھا یا کوئی اور اپنی تمام تالیفات میں غالبوں کو نجس اور خارج از اسلام تحریر کیا ہے۔ چنانچہ حنا شیخ مفید علیہ الرحمۃ جو بزرگ ترین فقہائے شیعہ ہیں سے ہیں، شرح عقائد صدوق میں لکھتے ہیں:-

”غالی وہ لوگ ہیں جو امیر المؤمنین اور ائمہ طہار کی نسبت الوہیت و نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں اور ان کے بائے میں حد سے تجاوز کرتے ہیں۔ ائمہ علیہم السلام نے ایسے افراد کے بائے میں حکم فرمایا ہے کہ یہ

لوگ دین اسلام سے خارج ہیں۔“ (شرح عقائد صدوق مطبوعہ تبریز ص ۶۲)

اس کے علاوہ تمام شیعہ فقہاء کے عملیات، مثلاً مصباح الفقہیہ، عروۃ الوثقیٰ اور مستمسک العروہ وغیرہ کو دیکھ کر اطمینان حاصل کیا جاسکتا ہے۔ ان تمام تصریحات کے بعد بھی اگر کوئی شخص شیعیت کو سبائیت اور شیعوں کو غالبوں کے عنوان سے یاد کرے تو ہم اس کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ یہ شخص دیدہ و دل کور ہے۔

پیشوا یان دین و رہبرانِ اسلام کے باشعوروں میں غلو اور غالبانہ امور کی نسبت فقط شیعہ جہاں کی طرف ہی نہیں۔ اس سلسلہ میں خود غلو الفکرین شیعہ کے مذہبی و تاریخی لٹریچر میں بھی غلو آمیز داستانیں اور عقایدِ امیر شام معاویہ بن ابوسفیان اور دیگر بنو امیہ کے باشعوروں میں موجود ہیں، جن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ غلو کا اختصاص اور انتساب فقط شیعہ کے ساتھ ہی نہیں بلکہ اموی مسکک کے پابند حضرات بھی اس میں برابر کے شریک ہیں۔ اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ لوگ بھی امویت کے حامل نہیں۔

ان تمام قصص حکایات اور غلو آمیز داستانوں کو علامہ امینی تبریزی نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف "الغیر" جلد ۱۱ صفحہ ۱۰۳ تا ۱۹۳ میں نہایت شرح و بسط کے ساتھ لکھا ہے اور مسلمانوں کے معتبر مدارک سے نقل فرمایا ہے۔

بہر نوع، یہ بات تو ثابت ہو چکی کہ ابن سبار اور سبائین بالفرض اگر تھے بھی تو غالی تھے، جن کا اسلام سے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ جیسا کہ شیعہ علماء کی تصریحات سے پیش کیا جا چکا ہے۔ مگر سبار اپنا موقف بدستور قائم ہے کہ ابن سبار اور سبائی گروہ کا وجود بالکل نہیں تھا اور یہ سب افسانے فرضی ہیں۔ اور زمانہ حال میں تو ابن سبار کے وجود کو متفق الفریقین اور علم بین المحققین کہنا خلاف واقع اور کذب و افتراء ہے۔ کیونکہ ہم نے اپنے مندرجات میں سات آٹھ شیعہ سنی محققین اہل علم کے متفقہ بیانات سے ثابت کر دیا ہے کہ ابن سبار ایک خیالی داستان کا ہیرو ہے۔

## ابن سبار اور ہم

تاریخ اسلام کی یہ ایک اہم فرگزاشت ہے کہ اس نے قریباً آج سے ہزار  
 برس قبل اپنے اوراق میں ایک ایسے باب کا اضافہ کیا جو نہ تو کسی مستند اسانہ قائم  
 ہے اور نہ ہی صحیح تاریخ سے اس کا کوئی لگاؤ۔ یعنی عبداللہ بن سبار کا فرضی قصہ۔ کافی  
 مدت سے بعض مورخین اس کو بیان کرتے چلے آ رہے ہیں، اور آئے دن کوئی نہ کوئی  
 شگوفہ اس میں بڑھا دیا جاتا ہے۔ متقدمین نے تو بعض سیاسی مصاحح اور قرن اول کے  
 مسلمانوں کی مذہبی و سیاسی فرگزاشتنوں کو پردہ خفا میں رکھنے کے لئے اس داستان کو  
 بنایا۔ مگر بعد میں آنے والے مصنفین نے ابن سبار کے متعلق یہ تمام قصے حقیقت خیال  
 کر لئے۔ مزید برآں بعض متکلمین نے ابن سبار اور سبائی گروہ کی طرف ایسے اسلام سوز  
 عقائد کی نسبت بھی دیدی کہ جن کا تعلق اسلام سے اور خصوصاً شیعیت سے قطعاً  
 نہیں تھا۔ اور ان تمام باتوں سے غرض یہ تھی کہ شیعوں کو اسلامی معاشرہ سے نکال کر  
 یہودیت میں شامل کر کے دکھایا جائے تاکہ شیعیت کے متعلق یہ مشہور ہو جائے کہ شیعہ  
 ایک یہودی کے جھانسنے میں آئے ہوئے تھے۔ اس کے بعد دانستہ یا غیر شعوری طور  
 پر جو اہل قلم بھی اٹھا اس نے عبداللہ بن سبار کی کہانی کو ضرور موضوع بحث بنایا۔ اور اہل  
 اسلام کی اہم مذہبی تنظیموں سے ہی دیگر مسلمانوں کے دوش بدوش چلی آ رہی ہے یہ  
 ایسے ناروا حملے کئے کہ جن کو دیکھنے سے ہمت اور الزام تراشی بھی اپنے مقام پر شرمندہ  
 ہو کر رہ جاتی ہے۔ حالانکہ شیعی لٹریچر از قسم تفسیر، حدیث، تاریخ اور کلام وغیرہ بالکل ان  
 خرافات سے پاک ہے۔ ذوق سلیم سے مطالعہ کرنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ ج طرح  
 دیگر مسلمان توحید و رسالت اور معاد یا ضروریات دین و اسلام کا اعتقاد رکھتے ہیں اسی  
 طرح یہ شیعہ بھی تمام اسلامی عقائد کو ان سے بڑھ چڑھ کر اپاتے ہیں۔ مگر شیعوں کے چند



ایک امتیازی عقائد جن پر وہ قرآن و حدیث سے بڑھان بھی رکھتے ہیں ایسے جن انہیں دوسرے اسلامی فرقوں سے ممتاز کرتے ہیں۔ یعنی مسئلہ امامت اور عدل وغیرہ جس کا اجمالی تذکرہ ہم پہلے پیش کر چکے ہیں۔ مگر یہ سب کچھ کیوں کیا جاتا ہے؟ اس لئے کہ بقول ڈاکٹر طاہر حسین مصری جن کا تفصیلی تبصرہ ہم لکھ چکے ہیں شیعیت میں یہودیت کا عنصر داخل کر دیا جائے، اور حضرت عثمان یا ان کے عمال کے ناشائستہ اعمال و حرکات کو چھپا دیا جائے تاکہ لوگ ان کے بارے میں شہادت میں پڑ جائیں۔ مگر ان تمام امور کو وہی شخص باور کر لگا جسے تاریخ و روایت سے شناسائی نہیں۔ یا پھر وہ شخص روایت پرستی کی اندھا دھند تقلید میں اس قدر کور و ذوق ہو چکا ہے کہ وہ کسی شہرت یافتہ بات کے خلاف کچھ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ مگر بایں ہمہ تشدد و پسند رویہ کے کچھ ایسے حقیقت پسند مصنف اور مورخ بھی ہیں جو تاریخ کو مورخانہ دیانتداری اور ہر واقعہ کو اس کے اصلی پس منظر کے ساتھ پیش کرنا اپنا اخلاقی فریضہ سمجھتے ہیں وہ بال کی کھال اتارنا جانتے ہیں اور تاریخ کو فلسفہ کی کسوٹی پر پرکھ کر اختلافات کی دلدل سے باسانی نکل جاتے ہیں۔ وہ قلم اٹھاتے ہیں تو محض صداقت کے لئے اور لکھتے ہیں تو فقط تحقیق کی غرض سے۔ اس سلسلہ میں وہ اسلاف پرستی کے بندھنوں سے آزاد ہو کر واقعات کو عقل و نقل کی روشنی میں اور پوری چھان بین کے ساتھ دیکھ کر اپنا ایک نظریہ قائم کرتے ہیں۔ وہ اپنے عقائد و افکار کی اساس کو خیالی اور وہمی داستانوں پر استوار نہیں کرتے۔ مگر متاسفانہ طور پر ہمیں یہ کہنا پڑتا ہے کہ ایسے لوگ بہت کم نظر آتے ہیں۔ برخلاف ایسے لوگوں کے ایسے حضرات کی تعداد بہت زیادہ ہے جو محض لکیر کے فقیر موتے ہیں وہ پہلے ایک وہمی چیز کو بطور عقیدہ محفوظ کر لیتے ہیں اور اس کے بعد واقعات و روایات کو اس اپنے عقیدے کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرنا ان کا کام ہوتا ہے۔ اس ضمن میں انہیں بہت سی کارروائیاں بھی کرنا پڑتی ہیں۔ صحیح عقائد کے مقابل وہ غلط سلط

تاویلوں سے کام لیتے ہیں، اور اگر اس طرح کچھ نہ بن پڑے تو من گھڑت افسانے وضع کیے جاتے ہیں۔ یہ روایت اور موموں و استائیں ان کی امیدوں کا سہارا بنتی ہیں۔ ایسے ہی لوگوں نے عبد اللہ بن سباؓ کا فرضی قصہ لپے عقائد کو محفوظ کرنے کے لئے وضع کیا جس کے حقیقی پس منظر کو ہم سابق اوراق میں نہایت تفصیل کے طور پر محققین کے اعتراضات کی روشنی میں بیان کر چکے ہیں اور یہ امر ثابت کیا جا چکا ہے کہ ابن سباؓ اور اس کا طویل طویل قصہ سیف بن عمر راوی کا وضع کردہ ہے۔ اور اس راوی سے فقط مورخ طبری ہی نے نقل کیا۔ جس کو بعد کے لوگوں نے حقیقت سمجھ کر مشہور کرنے کی کوشش کی اور اپنی ذہنی بے راہ روی کی بنا پر آج جو شخص بھی اٹھتا ہے وہ ابن سباؓ کو مخاطب کرتے ہوئے یوں کہتا ہے :-

”اے عبد اللہ بن سباؓ! تو اس فتنہ عظیم کا بانی ہے مسلمانوں کی تلوار تو کافروں پر چلتی ہے۔ مگر تو نے فریب اور سازش سے مسلمانوں پر ہی چلوائی۔ تو ان تمام فتنوں اور نقصانوں کا ذمہ دار ہے جو حضرت عثمان کی مخالفت میں رونما ہوئے۔ کیا یہ نقصان بھی کچھ کم ہے کہ اسلامی فتوحات یک قلم موقوف ہو گئے۔ تبلیغ اسلام کا کام مدہم پڑ گیا۔ لیکن تو اپنے مقام پر خوش اور خندہ زیر لب ہے کہ تو نے وہ کام کر دکھایا جو اسلام کے ابتدائی ایام میں قریش نے ایسے ارباب طاقت بھی نہ کر سکے۔ کیا یہ تعجب کا مقام نہیں کہ تو نے ابو ذر و عمار یا سر ایسے جلیل القدر دریا کبار صحابہ رسولؐ کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا اور اپنے مشن کی دستاویز ان کے سپرد کر دی۔ یہ تیری ہی تو شخصیت ہے کہ تو نے کفر و الحاد کو اسلامی جماعت میں پھیلا کر ہزاروں کو گمراہ کر دیا اور اسلام نے جن باتوں کو مٹایا تھا تو نے از سر نو زندہ کر دیا۔ خاندانی اور نسلی

امتیاز پیدا کر کے مسلمانوں میں خانہ جنگی شروع کرادی۔ جن کی وجہ سے آج تک  
اسلامی فرقے گتھم گتھا ہو رہے ہیں۔ اور منافرت کی بلیں پھیلتی ہی جا رہی  
ہیں۔ المختصر ابن سبار!

بھلا کیا ہو گے جو پوچھے کوئی : جہاں میں تم آئے تھے کیا کر چلے  
فقط تیرا کہنا ہے اتنا ہی کافی : قیامت کا فتنہ بپا کر چلے

## چند اہم توضیحات اور نتائج بحث

قطع نظر ہماری سابقہ تصریحات کے بالفرض یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ ابن سبار  
توضیح اول کا وجود کبھی تھا تو پھر بھی اس کو اتنی اہمیت حاصل نہ تھی جتنی کہ مورخین  
بیان کرتے ہیں۔ ان کے بیان کے مطابق وہ ایک نووارد شخصیت تھی جس نے یکسر  
اسلامی حکومت کا تختہ الٹ کے رکھ دیا۔ مورخین کی یہ زیادتی اور مبالغہ آرائی فقط اپنے  
حریفوں کو شکست دینے پر ہی موقوف نہیں رہتی بلکہ یہ تو صحابہ کرام اور تابعین عظام  
پر بھی سخت بہتان اور افترا پردازی ہے۔ کیا کوئی شخص یہ باور کر سکتا ہے کہ صدر اسلام  
کے مسلمان جو شریعت اسلامیہ کے مخاطب اول اور حامل وحی سے بلا واسطہ استفادہ  
کرنے والے تھے وہ اتنے بھولے بھالے اور دینی و سیاسی بصیرت سے اس قدر  
بے بہرہ تھے کہ خارجی عوامل اور محرمات سے متاثر ہو کر کئی دیندار اور پاکباز مسلمانوں  
کا خون بے دریغ بہا ڈالا۔ ہمارا تو جی نہیں چاہتا کہ ایسے واقعات جن سے اولوالعزم  
شخصیتوں کی تذلیل ہوتی ہو تسلیم کر لیں۔ ہم تو صرف اسی بات کو حق سمجھتے ہیں جو اسلام  
کے صحیح ماخذوں سے ہم تک بذریعہ فقہ روایت پہنچی ہے اور ان سارے اختلافات اور  
واقعات کو اس وقت کے سیاسی مزاج کا ہی نتیجہ خیال کرتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے

کہ مسلمانوں کا کوئی مکتب خیال ان لغزشوں اور فریو گزاشتوں کو جو اس وقت کے مسلمانوں سے وقوع پذیر ہوئیں خطائے اجتہادی کے عنوان سے تعبیر کرے، یا کوئی فرقہ ان باتوں کو اخروی و شرعی طور پر قابل مواخذہ سمجھے۔ بہر حال یہ بات اپنے مقام پر مسلم ہے کہ ان مناقشات میں ابن سبار وغیرہ کارائی بھری تعلق نہیں۔

جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ مورخین نے ابن سبار کی کہانی کے ذیل میں

## توضیح دوم

اس کا اہم کردار یہ بتلایا ہے کہ وہ حضرت عثمان کا سخت مخالف تھا۔ اور جاہلی حکومت پر تنقیدیں کرتا تھا۔ اور شرعی حیثیت سے حضرت عثمان کو وہ اس خیال کے تحت غاصبِ خلافت سمجھتا تھا کہ حکومت و خلافت حضرت علی کا حق ہے۔ مورخین کے خیال کے مطابق ابن سبار کا یہی وہ بنیادی نظریہ ہے جس کی بناء پر اس کو شیعیت کا بانی خیال کیا گیا۔ تو میرے خیال میں یہ الزام شیعہ لٹریچر سے ناواقفیت کی بناء پر ہے، ورنہ جو شخص امامیہ مذہب کے علم کلام سے تصورِ اہبت بھی واقف ہے اسے بخوبی علم ہے کہ شیعہ لوگ حضرت عثمان کی نسبت حضراتِ شیخین یعنی ابوبکر و عمر کو اہل بیت کے معاملہ میں بہت زیادہ موردِ طعن قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک اہل بیت نبوی کے دینی و سیاسی مخالف میں حضراتِ شیخین کا سب سے زیادہ حصہ ہے۔ اور حقیقت میں یہی دو بزرگوار ہیں جن کے اہم منصوبوں پر آئندہ چل کر عمل درآمد کیا گیا۔ تو اس سلسلہ میں ابن سبار اگر شیعہ ہوتا یا شیعہ عقائد کا بانی ہوتا تو شیعہ نقطہ نظر سے پہلے وہ حضراتِ ابوبکر و عمر کے دین و سیاست پر اعتراض کرتا اور ان کو غاصب سمجھتا، اور بعد میں حضرت عثمان وغیرہ کے حق میں لب کشائی کرتا۔ کیونکہ تمام مسلمانوں کے نزدیک خلافتِ شیخین اصل ہے اور خلافتِ عثمانیہ اس کی فرع، اور اصل کو چھوڑ کر فرع کو کیونکر موجبِ قدح قرار دیا جاسکتا ہے۔

محدثین اسلام نے بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس قدر

## توضیح سوم

کے زونا ہونے کی خبر بطور پیشین گوئی فرمائی تھی وہ یہی حادثہ اور فتنہ

کبریٰ ہے، جو خلیفہ ثالث کے عہد میں پیش آیا جس کے نتیجے میں حضرت عثمان قتل ہو گئے ان فتنوں کے ذیل میں آنحضرتؐ سے بطور خبر یہ نقل کیا جاتا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میرے بعد فتنے رونما ہونے والے ہیں۔ اور جو شخص ان فتنوں میں بیٹھا رہے گا وہ کھڑے آدمی سے اور کھڑا دوڑتے ہوئے سے بہتر ہے۔ اس کے علاوہ جنگِ جمل کے وقوع اور صفین و نہروان کے واقعات کو بھی بیان کیا۔ اس ضمن میں یہاں تک فرمایا کہ میری فلاں بیوی کے گھر سے اسلام کی مخالفت کے سلسلہ میں شیطان کے سینک برآمد ہوں گے۔ مزید برآں یہ کہ "میری اس بیوی کو چشمہ حور رب کے کتے بھونکیں گے" (مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۲۳ و ۵۲) جنگِ صفین میں عمار یا شہید ہوئے۔ ان کی شہادت کے متعلق بیان کیا کہ "اے عمار! تجھے باغی گروہ قتل کریگا، تو انھیں جنت کی طرف بلائے گا مگر وہ تجھے ہتھم کی دعوت دے گا۔ اسی طرح کہ بلا کے حادثہ فاجحہ کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے آنحضرتؐ نے اپنے صحابہ کو خبر دی کہ "میرے دین کی تباہی نبوا مئیہ کے ایک چوکے کے ہاتھوں ہوگی، جس کا نام یزید ہے اور میرا بیٹا حسین بے یار و مددگار اور پیاسا مدینے اعزہ و اقارب کے کر بلا کے میدان میں نہایت بے دردی سے شہید ہوگا۔" مختصر یہ کہ اس طرح کی بہت سی پیشین گوئیاں مثلاً خروجِ وصال۔ آمدِ عیسیٰ۔ ظہورِ مدیہ۔ اسلام کی آئندہ حالت۔ اسلامی حکومتوں کے واقعات اور مسلمان معاشرہ کی ستی وغیرہ۔ غرضیکہ قیامت تک کے حالات، جن کو اخبار بالغیب اور معجزات نبوت کے عنوان سے تعبیر کیا جاتا ہے کتب سیر و احادیث میں موجود پائی جاتی ہیں۔ جن کو پڑھنے سے بعد انسان کسی واضح راستہ کو اختیار کر سکتا ہے۔ مگر ہمیں تعجب ہوتا ہے جب ان اخباروں میں بن سبار اور سبائین کی فتنہ پروریوں اور خفیہ سازشوں کو لکھا ہوا نہیں پاتے۔ اگر اسلامی سنت میں بن سبار نے اتنا اہم کردار پیش کرنا تھا تو ضرور بضرور آنحضرتؐ کسی نہ کسی مقام پر بالآیا تفصیلاً علانیہ یا اشارتاً اس بات کو بھی بطور خبر بیان کرتے، اور اپنے صحابہ کو

تنبیہ کر دیتے کہ دیکھنا میرے بعد کے ہونے والے فتنے ایک نو وارد یہودی کی کارستانیوں کا نتیجہ ہوں گے۔ خبردار کہیں تم اس کے دام فریب میں پھنس کر میری تعلیمات کو ہی نہ بھلا بیٹھنا۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر ابن سبأ ایسا مفسدِ اعظم کوئی ہونا ہوتا تو آنحضرتؐ یقیناً اس کے بائے میں کچھ نہ کچھ فرماتے۔ آنحضرتؐ کی تصریح کے بعد اور کوئی عمل کرتا یا نہ کرتا آنحضرتؐ کے مخلص شاگرد حضرت ابوذر و عمار یا سر اور امیر المؤمنینؑ ایسے جانثار ساتھی بالضرور عمل پیرا ہوتے۔ اور ابن سبأ وغیرہ سے ضرور بیزاری اختیار کرتے۔ مگر جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے ہیرت۔ تاریخ اور حدیث کی کتابوں میں کوئی ایسی صراحت نہیں جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ ابن سبأ وغیرہ سے ایسے ایسے کارنامے ظہور پذیر ہوں گے۔ لہذا نتیجہ یہی ثابت ہوتا ہے کہ سبائی گروہ ایک وضعی اور خیالی داستان کا عنوان ہے۔

زمانہ فتنہ کی اہم شخصیتیں جن سے اس فتنہ کے واقعات مربوط ہیں وہ

**توضیح پہلام** حضرت عائشہ۔ حضرت عثمان۔ حضرت طلحہ و زبیر۔ حضرت ابوذر۔ حضرت عمار یا سر وغیرہ ہیں۔ یا پھر حضرت امیر المؤمنینؑ علی بن ابی طالب علیہ السلام کا وجود مبارک۔ ان فتنوں کے دور کے تمام واقعات اکثر و بیشتر انہیں بزرگوں سے متعلق ہیں۔ مخالفت اور دشمنی کی ساری تصریحات ان سے ہی منسوب ہیں۔ اور ان تمام لوگوں کے تھوڑے بہت بیانات روایات کی صورت میں تاریخوں اور حدیثوں میں پائے جاتے ہیں۔ مگر کسی مقام پر بھی یہ نہیں ملیگا کہ ان بزرگوں میں سے کسی نے کسی بھی موقع پر خلوت میں خلوت میں یہ فرمایا ہو کہ ہم مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے والا یہ بدبخت ابن سبأ یہودی ہے، اور ہم غیر شعوری طور پر اس کے جال میں پھنس گئے ہیں۔ حالانکہ مورخین نے اس حد تک مبالغہ آرائی سے کام لیا کہ ابن سبأ اور سبائی گروہ کے اثرات ساری مملکت اسلامیہ کے ہر چھوٹے بڑے شہر میں موجود تھے۔ اور اس کے غیر اسلامی عقائد سے مسلمانوں کی اکثر متاثر تھی۔ مورخین نے جو اس مقام پر حیرت انگیز تصویر کشی کی ہے اس کو پڑھنے سے روشنگر

کھڑے ہو جاتے ہیں، اور تاریخ اسلام کا سطحی طور پر مطالعہ کرنے والا یقین کر لیتا ہے کہ ابن سبار پہلی صدی میں ایک عظیم شخصیت کا مالک ہو گا جس نے اتنا عظیم پارٹاڈا کر کے فتنوں کے دروازے کھول دیئے۔ ہم و ثوق سے کہتے ہیں کہ اگر کوئی عبداللہ بن سبار اور سبائین ہوتے تو ضرور بر ضرور امہات المؤمنین یا صحابہ رسول جو اس وقت زندہ تھے کچھ نہ کچھ ابن سبار کے بارے میں بیان کرتے اور ان کا وہ بیان آج تاریخ میں بھی موجود ہوتا۔ اور نہیں تو حضرت امیر المؤمنین کے کلام بلاغت نظام یعنی نہج البلاغہ جو حضرت کے خطبات و مکتوبات کا مجموعہ ہے میں یقیناً ابن سبار کا حقوڑا بہت ذکر ہوتا۔ مگر ہم نے شکوک مبدل یقین ہو جاتے ہیں جب ہم نہج البلاغہ میں اس قسم کی کوئی صراحت نہیں دیکھ پاتے۔ حالانکہ نہج البلاغہ میں اکثر و بیشتر عنوان پیغمبر اسلام کی رحلت کے بعد کے واقعات سابقہ خلافتوں پر تبصرہ۔ اپنے حقوق کا ذکر قتل عثمان کا پس منظر اور اس سے متعلقہ باتیں جنگ جمل کے علل و اسباب اور معرکہ صفین و نہروان کے وجوہات اور نتائج وغیرہ کے ہیں، اور بصراحت پائے جاتے ہیں۔ حالانکہ ابن سبار کے تذکرہ نویسوں نے انہیں واقعات میں اکثر کے متعلق سبائیوں کا اہم کردار بیان کیا ہے۔ اگر ابن سبار کا کوئی وجود ہوتا تو یقیناً امیر المؤمنین کے کلام سے کہیں نہ کہیں اس کی مذمت یا مدح کا اظہار ہوتا، اور اس کو فسادات کا بانی قرار دیا گیا ہوتا۔

الزام تراشنے والوں نے جہاں حضرت ابوذر غفاری و عمار یاسر وغیرہ اصحاب رسول پر سبائیت کا الزام لگایا اور لکھا کہ جناب ابوذر کا اشتراکیت کی طرف دعوت دینا ابن سبار کی تعلیمات کا ہی نتیجہ تھا، وہاں مالک اشتر صعصعہ بن صوحان۔ محمد ابن ابوبکر۔ عمرو ابن محقق۔ حجر بن عدی الکندی۔ زید بن صوحان وغیرہ مقدس مومنین اور جانثاران حضرت امیر المؤمنین کو بھی معاف نہیں کیا۔ اور کہا کہ یہ سب کے سب فسادوں کے سرغنے تھے۔ حالانکہ یہ تمام بزرگوار پیغمبر اسلام کے صحابیوں میں شامل تھے۔ ہم نے

اپنے سابقہ بیانات میں ان تمام مقدس مومنین کے دینی و سیاسی کردار کو کتبِ حال اور تاریخ سے پیش کر دیا ہے کہ یہ حضرات سیائیت سے کوسوں دور اور اپنے زمانہ کے مشہور زائد۔ عبادت گزار اور پرہیزگار انسان تھے۔ ان بزرگوں کو محض اس لئے کوسا جاتا ہے کہ یہ سائے کے سائے حضرت امیر المومنینؑ کے جانثار مخلص اور دست بازو تھے۔ اگر ان کا کردار ایسا ہی ہوتا جیسا کہ مورخین نے بیان کیا ہے تو ہم یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ حضرت امیر المومنینؑ علیہ السلام ان سے بیزار رہتے۔ اور انہیں باریابی کا شرف ہرگز نہ دیتے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کے متعلق امیر المومنینؑ مدحیہ کلمات فرماتے نظر آتے ہیں۔ اور ہر ایک کی جدائی اور وفات پر امیر المومنینؑ نے قلبی افسوس ظاہر کیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ابن سبأ اور سبائی گروہ افتراء پر دازوہن اور کذب و بہتان والے قلب کی پیداوار ہے۔ کیونکہ اگر مورخین کے بیانات کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو قطع نظر اس کے کہ ان لوگوں کے حالات کیسے تھے خود حضرت امیر المومنینؑ علیہ السلام کے کردار اور دینی پوزیشن پر بھی ضربِ کاری لگتی ہے، کیونکہ اگر امیر المومنینؑ نے ایسے سیائیوں کو اپنے ساتھ رکھا تو گویا فساد یوں اور فتنہ پروروں کی سرپرستی لئے رکھی۔  
نعوذ باللہ من ذالک۔

سب سے زیادہ وزنی اور قابلِ توجہ بات جو یہاں پیش کرنے کے قابل ہے اور ابن سبأ کے عدم وجود پر دلیل ہے وہ یہ ہے کہ آخر کیا وجہ تھی جن لوگوں نے حضرت عثمان کی سیاست اور حالِ حکومت کے افعال و کردار پر حقوڑی بہت بھی تنقید کی ان کے خلاف فوراً حکومتِ وقت کی طرف سے سخت سے سخت ایکشن لیا گیا، اور یہ پرواہ نہ کی گئی کہ تنقید کرنے والا کوئی جلیل القدر صحابی ہے یا زائد پرہیزگار مومنین۔ حکومت کے مخالفین کو یا تو مارا گیا یا پھر جلا وطن کر دیا گیا۔ اس سلسلہ میں عبداللہ



# عبداللہ بن سبا

مؤلف

جناب علامہ المحققین سید منظور حسین صاحب بخاری

مؤلف توثیق ذک اسلام کا تاریک دور

اجنالہ سرگودھا

ناشر

مکتبۃ الناصر بیرون شاہ عالمی دروازہ، سرگودھا، پاکستان